محبوب الوارثین
میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

محبوب الوارثین

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

محبوب الوارثین

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

کتاب   محبوب الوارثین

مصنف   میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

ناشر   میاں محمد شہزاد ساگر وارثی و میاں غلام فرید وارثی

تعداد   پانچ سو

تاریخ اشاعت   فروری ۱۹۹۵ء

ہدیہ   ۱۵۰ روپے

پتہ   وارثی منزل - پاک سٹریٹ - اسلام آباد کالونی

سمن آباد - لاہور

ملنے کا پتہ :- دربار وارثیہ آستانہ پاک حضرت حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی "

بمقام چھپر شریف ڈاک خانہ چنگا بنگیال

تحصیل و ضلع گوجر خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم الوارثین○

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و علی الہ

و اصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین○

بارگاہ قدس حضرت سرکار وارث عالم پناہ حافظ حاجی سید وارث علی شاہ اعلی مقامہ قصبہ دیوی شریف تحصیل و ضلع بارہ بنکی (یو - پی بھارت) کے منظور نظر اور مقرب خصوصی حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی رحمتہ اللہ علیہ (مزار اقدس چھپر شریف تحصیل و ضلع گوجر خاں) کی بہار بوستان وارثیہ جناب فقیر حاجی قاضی عزت شاہ وارثی مدظلہ العالی کی خدمت بابرکت میں

نذر

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

خاکپائے درویشاں

میاں عطاء اللہ ساگر وارثی عفی عنہ

قطعہ تاریخ طباعت

کتاب موسومہ "محبوب الوارثین" مصنفہ میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

قاضی اکمل شاہ وارثی و میاں محبت شاہ وارثی

کے حالات پر مشتمل

ہیں احوال یہ وارثی سلسلے کے
خوشا ذکر و فکر محبان وارث

مرقع یہ "محبوب وارث" ہے کیا خوب
ضیا باری علم و عرفان وارث

محبت و اکمل پہ الطاف حضرت
ہیں آسودہ ظل دامان وارث

سدا رحمت حق تعالیٰ ہو ان پر
کہ تحریر ساگر ہے شایان وارث

بیاں کیا ہو وصف رخ روح پرور
ہیں جان جہاں جان جانان وارث

نبی مکرم کے لطف و کرم سے
جہاں دار دیکھے غلامان وارث

سن طبع اس کا فدا قدسیوں نے
کہا "گنج بسیار، فیضان وارث"

۱۵ ھ ۱۴

نتیجہ افکار

ابوالطاہر فدا حسین فدا

مدیر اعلیٰ ماہنامہ "مہر و ماہ" لاہور

قطعہ تاریخ برائے محبوب الوارثین

تصنیف میاں عطاء اللہ ساگر وارثی

قاضی کمال و اکمل و سرخیل وارثین
اک نسخہ محبت سلطان عارفین
فاروقی مصرع سادہ تاریخ خوب ہے
ساگر عطا شو شارب "محبوب وارثین"

۱۹۹۵ء

نتیجہ فکر
میاں محمد اکرام الحق فاروقی عفی عنہ
سابق ہیڈ ماسٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصطفیٰ (ﷺ) جان رحمت پہ لاکھوں سلام

سخنان چند

مورخ و تذکرہ نگار مشائخ سلسلہ وارثیہ فاضل محترم جناب میاں عطاء اللہ ساگر وارثی مدظلہ العالی مرید رشید حضرت الحاج قبلہ حیرت شاہ وارثی مغفور و مبرور (مزار کراچی) مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کتاب ○ خیر الوارثین ○ تذکرہ مشائخ ہوشیار پور ○ تذکرہ شعرائے وارثیہ اور ○ تذکرہ مشائخ جالندھر وغیرہ کے بعد اس سلسلہ عشق و مستی کے دو بزرگوں کے حالات بابرکات رقم کئے ہیں۔

(۱)۔ حضرت حاجی محبت شاہ وارثی پنجابی رحمتہ اللہ علیہ
(مزار: سہوارہ شریف۔ بجنور بھارت)

(۲)۔ حضرت حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی رحمتہ اللہ علیہ
(مزار: چھپر شریف، گوجر خان۔ پاکستان)

یہ دونوں حضرات، امام عاشق حضرت قبلہ حاجی وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز کے سلسلہ عالیہ کے روشن چراغ تھے اور ان دونوں بزرگوں نے سلسلہ عالیہ وارثیہ کا نام خوب روشن کیا اور کثیر التعداد لوگوں کو تصوف کی حقانیت تسلیم کرائی اور دین اسلام کی زبردست اشاعت کی، کفار اور سرکش لوگ ان نفوس قدسیہ کی زیارت ہی سے صراط مستقیم پر گامزن ہو جاتے تھے۔

قاضی اکمل شاہ وارثیؒ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے مراتب و مدارج بلند تر فرمائے اور ان کے مزارات ہمیشہ فیض رسان خلق رہیں اور ان کے تذکرہ نگار حضرت ساگر وارثی صاحب پر ان کی توجہات مبذول رہیں اور وہ ایسی ہی مفید لائق کتب لکھتے رہیں۔ آمین! ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مادہ تاریخ تصنیف و طباعت یہ ہے

شاداب گلشن وارث"
۱۵ ۵ ۱۴

داتا کی نگری
۴ شعبان المعظم ۱۴۱۵ھ

خاک راہ دردمنداں
حکیم محمد موسیٰ عفی عنہ

میاں حاجی اوگھٹ شاہ وارثیؒ

I feel delighted to write these introductory lines to Mian Sagar's new book, *Mahbub-ul-Wariseen*, which is very interesting, informative and thought provoking. It basically deals with the two distinguished Warisi saints, namely, Qazi Akmal Shah Warisi and Haji Muhabbat Shah Warisi, who played a distinctive role in promoting and preaching Islam in their respective shperes of influence, changing the destinies of many ingnorant and misguided people. Their way of life was so simple and pious, their method of preaching religion was so impressive that a great number of non-Muslims could not remain without embracing Islam at their hands, increasing much to the name and fame of the Warisia order in the Indo-Pakistan subcontinent, in which our learned author seems well-trained and well-versed. Staunchly devoted to the order, he has spent most part of his precious life in its deep study , thus already producing a number of books mainly including *Tazakare-e-Shuara-e-Warisia*, *Mushaikh-e-Hushiarpore* and *Khairul Wariseen*, which have been greatly admired in the literary, religious and scholarly circles. His present book is also a fine attempt. It not only deals with the said saints but also throws search-light on other sufi orders in India and Pakistan. The book is well researched and well documented, really making a good addition to the historical literature on the said order for which our learned author deserves our due appreciation.

Sher Muhammad Garewal.
Government College, Lahore

تقریظ

سلسلہ وارثیہ سے تعلق رکھنے والے عہد حاضر کے اصحاب قلم میں میاں عطاء اللہ ساگر وارثی کا نام خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کچھ عرصہ پیشتر یکے بعد دیگرے ان کی تین کتابیں شائع ہوئیں ایک "مشائخ ہوشیارپور" اور دوسری "تذکرہ شعرائے وارثیہ"۔! اب تیسری کتاب "محبوب الوارثین" کے نام سے معرض اشاعت میں آئی ہے۔

یہ کتاب سلسلہ وارثیہ کے دو بزرگان عالی قدر کے حالات و سوانح پر مشتمل ہے۔ ایک بزرگ کا اسم گرامی میاں قاضی اکمل شاہ وارثی ہے اور دوسرے کا میاں محبت شاہ وارثی۔! ان دونوں نامور شخصیتوں کا مسکن ضلع جہلم تھا۔ میاں قاضی اکمل شاہ اس ضلع کے ایک مقام سنگھوئی کے رہنے والے تھے اور میاں محبت شاہ کی سکونت پنڈ دادن خاں میں تھی۔ اپنے اپنے دائرے میں دونوں نے خدمات انجام دیں اور متعدد مقامات کے تبلیغی دورے کیے، جس کی تفصیل لائق مصنف نے اپنے انداز میں درج کتاب کر دی ہے۔

بزرگان دین کے حالات قلم بند کرنا اور اکابر کے کارناموں کو ضبط کتابت میں لانا بہت بڑی سعادت ہے جو ساگر وارثی کے حصے میں آئی ہے۔

۲۱۔ مارچ ۱۹۹۵

محمد اسحاق بھٹی
ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور۔

زمانہ پھر گیا پھر جائے پر تو تو ہمارا ہو
تری خاطر اے بت ہم نے چھوڑا ہے خدائی کو
میری مشکل میں آڑے آیئے آسان کر دیجئے
ذرا میں بھی دیکھوں آپؒ کی مشکل کشائی کو

(بیدم شاہ وارثیؒ)

دیباچہ اوّل

عشق تیرا میری تقدیر کا عنوان ساقی
میری چاہت مرا دیباچہ ارماں ساقی
اپنا میخانہ ہے درگاہ قدس تیری
ہم کو ملتی ہے یہیں سے مئے عرفاں ساقی (عاصی دہلوی)

مسلمانوں کی ترقی کا باعث صرف ظاہری اسباب و ذرائع نہ تھے، تاریخ اس بات کی شاہد ہے بلکہ ان کی ترقی کا دارومدار دراصل ان کی قوت روحانی پر منحصر تھا۔ وہ روحانی تقویت کے اعتبار سے جس قدر مضبوط اور پراعتماد تھے۔ اتنے ہی اغیار کی نظروں میں معراج یافتہ تھے اور قابل ستائش تھے۔ روحانی ارتقائی منزلوں کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ چہار دانگ عالم میں مسلمانوں کے حسن عمل کا ڈنکا بج رہا تھا اور اسلام کا ایک ادنیٰ خادم اس روحانی تقویت کے باعث سوائے خدائے وحدہ لا شریک لہ کی جلالت و عظمت کے کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ کے جاہ و حشم کو خاطر میں بھی نہ لاتا تھا۔ دنیا ان کی نظروں میں ہیچ تھی مگر بیشتر مواقع پر اولیاء کرام کی روحانی قوتوں نے توپ و تفنگ سے زیادہ کام لیا اور لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اختلاف اور موشگافیوں کا شکار ہو کر اس نعمت عظمیٰ و برکت سے محروم ہو گئے۔ جس کا نتیجہ آج آپ کے سامنے ہے اور "خود کردہ علاج نیست" کے

مصداق سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ شہدائے کرام اور واصلینِ حق، اولیائے کرام اگرچہ ہماری ناقص اور ظاہری نظروں سے دور ہیں مگر "ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار" خدا کی مخلوق پر آج بھی ان کا تصرف جاری ہے اور تشنگانِ راہِ طریقت و معرفت ان کے فیض و کرم سے آج بھی مستفیض ہو رہے ہیں۔ پیشِ نظر نسخہ "محبوب الوارثین" میں اولیاء اللہ کا احوال اور ان کے اقوال پر غور کرنے سے دل میں سرور اور نور پیدا ہوتا ہے اور شکوک و شبہات کی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ روح میں تازگی آتی ہے اور قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے اور اس گروہ جانبازاں نے راہ طلب میں مال و اسباب فدا کیا اور تمام عمر مجاہدات میں گزار دی۔

زیں طلب گر نہ خدا یافتہ اند
ایں ہمہ بہر چہ بشتافتہ اند

کاملوں کی دولت صحبت اگر ہمیں میسر نہ آئی تو ان کے حالات سے آگاہی جو خیر و برکت ہے اسے کیوں نہ حاصل کیا جائے۔

اولیاء اللہ کا وجود رحمت ایزدی ہے۔ ان کے حسنِ عمل، نیک کردار اور گفتار راست سے بھی محبت پیدا ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے قرنوں کے بعد بھی ان کا ذکرِ خیر زبانوں پر جاری و ساری ہے۔

اس کے پہلے باب میں مذکورہ نسخہ ہذا میں بانی سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں حضرت سرکار عالم پناہ حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کا مختصر سا خاکہ

حیاتِ مبارکہ کو قارئینِ کرام کے لئے بطور تعارف روشناس کرایا گیا ہے۔

اس کے دوسرے باب میں حضرت حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی علیہ الرحمتہ کے حالات حیاتِ مبارکہ کتاب ہذا میں درج کئے گئے ہیں اور ان کی یہ سوانح عمری قبلہ قاضی عزت شاہ وارثی مدظلہ نے خود نوشتہ ایک قلمی نسخہ ہے، راقم الحروف کو اپنے دستِ کرم سے عطا فرمایا اور بندہ پروری فرمائی جس میں سے اقتباسات اخذ کئے گئے ہیں اور کتاب ہذا کو ان ماخذوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ بلکہ اپنی محبت کے تقاضہ کو پورا کیا ہے۔

اس کے تیسرے باب میں حضرت قبلہ میاں محبت شاہ وارثی علیہ الرحمتہ کے حالات حیات مبارکہ ایک قلمی نسخہ جس کو مولانا علم الدین چشتی سیالویؒ نے تحریر کیا ہے اور اس قیمتی قلمی نسخہ کو حاصل کرنے میں حضرت قبلہ قاضی عزت شاہ وارثی مدظلہ کی سعی و کوشش شامل ہے۔ نسخہ ہذا میں حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کی تحریریں اور قاضی قبلہ عزت شاہ وارثی مدظلہ کی یادداشتیں بھی درج کی گئیں ہیں۔

اس کے چوتھے باب میں وارثی برادران کے لئے مختلف انواع کے عنوانات" مضامین پر مشتمل بزرگانِ دین کے مدلّل اقوال، احادیث، قرآنِ مجید اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اندراج کیا گیا ہے۔ مختلف عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

○ (۱) رنگ الصفر (زرد رنگ) کی حیثیت و اہمیت
○ (۲) گیسوؤں کے متعلق احادیث
○ (۳) اعراسِ پاک کے انعقاد کی وجوہات اور حقیقت

○ (۴) سماع کا سننا اور اس کی اہمیت احادیث کی روشنی اور ان روحانی محافل کے آداب و سماعت بزرگانِ دین کی نظر میں

○ (۵) آداب رہبران دینِ اسلام

اس کے پانچویں باب میں فٹ نوٹس" حوالہ جات کتب برائے معلومات کا اندراج ہے۔

اس کے چھٹے باب میں "محبوب الوارثین" کی قارئینِ کرام کے لئے دورہ حاضرہ کی ایک اہم ضرورت تھی۔ تاکہ اہلِ سلسلۂ وارثیہ' چشتیہ' قادریہ' سہروردیہ اور دیگر سلاسل بھی استفادہ کریں اور کرتے رہیں جیسا کہ بقول! اولیاء اللہ کا وجود رحمت ایزدی ہے۔ ان کے کردار اور راست گفتار سے بھی عشق و محبت پیدا ہوتا ہے۔

بے بصیرت ہے مگر تو منکر شیخ و ولی
ناشگفتہ رہ گئی ہے بے شک تیرے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بینی آشکارا و ہم نہاں
در قبائے گُل رخاں رنگ نبیؐ بوئے علیؓ

آخر میں میں قارئینِ کرام سے دست بستہ گزارش کرتا ہوں۔ میری اس تحریر میں اگر کوئی غلطی یا کمی رہ گئی ہو تو عفو کرم فرمائیں۔ زندگی بخیر آئندہ اس ایڈیشن میں ترمیم کی جائے گی اور کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

میری دعا ہے کہ جو قارئینِ کرام بھی نسخہ ہذا کا مطالعہ کریں' میرا مالک اس کے گناہ صغیرہ کبیرہ حضرت مخدوم وارث پاک"، حضرت حافظ حاجی اکمل شاہ

وارثی اور حضرت میاں محبت وارثیؒ کے صدقے میں معاف فرمائے اور ہم سب کو سب سے محبت اور ادب کرنے کی سعادت بخشے اور چھوٹے بڑے اور حسبِ مراتب کے آداب کا دروس حاصل کرنے کی دولت نصیب ہو۔

آمین الٰھم ولاشنا آمین۔

میری حیرت محبت ہو محبت آپ کی حیرت
یہی آئینہ داری آخرش روزِ یقین آئے
تصدّق آپؐ کے جملہ خلائق کی محبت ہو
کہ میں دیکھوں آپ ہی کو سامنے جو بھی حسیں آئے

خاکپائے درویشاں
میاں عطاء اللہ ساگر وارثی عفی عنہ
۲ جنوری ۱۹۹۵ء

دیباچہ دوم

جانے کتنے بادشاہوں کی حکومتیں دم توڑ چکی ہیں۔ کتنے شاہوں کا جلال خاک میں مل گیا مگر روحانی تاجداروں کی حکومت اسی شان و شوکت سے جلوہ افروز ہے۔ ان کا دائرہ بنی نوع انسان پر ہی نہیں یا جنات و شجرو حجر پر نہیں۔ بلکہ ان کا شہرہ آسمان کی بلندیوں تک ہے اور یہ روحانی تاجدار اپنے تمام ارادے اور طاقتیں اپنے مولا کو لوٹا چکے ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کی ہستی مٹا کر خود کو ذات باقی میں فنا کرنے کے لئے "**موتو قبل ان تموتو**" کا لباس زیب تن کر لیا تو ذات کریمی نے اپنے کرم سے حیاتِ ابدی عطا فرمائی۔ غرض یہ کہ ہر کام منجانب اللہ ہونے لگتا ہے۔ اس مقام پر بندے سے ایسے امور کا ظہور ہوتا ہے جو انسانی حدود اور عقل سے بالاتر ہوتا ہے۔ دنیا انہیں اولیاء اللہ کو قابل صد احترام کی نظر سے دیکھتی ہے اور جن کے متعلق حدیث قدسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد ہے۔ "**الفقر فخری والفقر منی**"۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمتہ "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں۔ آسمانوں سے بارش درویشوں کے قدموں کی برکت سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **فطال علیھم الا سد فقست قلوبھم ط و کثیرا" منھم فٰسقون ط اعلمو ان اللہ یحیِ الا رض بعد موتھا ط قد بینا لکم الاٰیات لعلکم تعقلون ط ○**

(الحدید)

ترجمہ! جب ایک لمبی مدت گزر جاتی ہے تو دلوں میں سختی آ جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ کثرت سے نافرمان ہو جاتے ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ بیشک زمین کو مرے پیچھے زندہ کیا کرتا ہے۔ یقیناً اللہ اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ کسی روحانی مقتدا کی وفات کے بعد جب ایک لمبی مدت گزر جاتی ہے تو لوگوں کے دل سخت ہو جاتے ہیں اور ان سے خدا سے غفلت اور فسق و فجور پھیل جاتا ہے اور مذہب سے بیگانگت پیدا ہو جاتی ہے۔ تب رب العالمین اپنے قدیم کے مطابق حسب معمول زمین کو اس کے مرے پیچھے زندہ کرتا ہے۔ یعنی کسی روحانی انسان کے ذریعے ان روحانی مردوں کو زندگی بخشتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم والیٔ دو جہاں سے قبل اس احیائے روحانی کے لئے انبیا علیہ السلام کا ایک سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے مسلسل چلا آتا ہے جس کے ذریعے قلوب کی مردہ زمین زندہ ہو جایا کرتی تھی لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بعد نبوت ختم ہو چکی ہے کیونکہ جو ہدایت نوع انسان کو خدا کی طرف سے ملنا مقدر تھی وہ اپنی تکمیل کو پہنچ چکی اس لئے انبیا علیہ السلام کا سلسلہ منقطع ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ کا قانون برابر اسی طرح قائم ہے۔ لہٰذا خدا سے غفلت اور دلوں کو مردہ پن سے بچانے کے لئے اور فسق و فجور کے پھیلاؤ کے بچاؤ کے لئے روحانی مردوں / درویشوں / صوفیوں کا آنا دنیا میں اب بھی نہایت ضروری ہے۔ جس طرح پہلے تھا۔ پس اللہ

تعالیٰ نے آپؐ کے دین کی تجدید کے لئے درویشوں ایسے لوگ وقتاً" فوقتاً"
مبعوث ہوتے رہیں گے جو آپؐ کے علم و حکمت اور کمالات باطنی کے وارث
ہوں گے۔ وہ لوگوں کے دلوں سے غفلت دور کردیں گے اور مذہب اسلام میں
پیدا ہونے والی بدعات کو دامے درمے قدمے سخنے روکیں گے۔

"کشف المحجوب" میں حضرت عمر التوارقؒ فرماتے ہیں "آدمی تین قسم
کے ہوتے ہیں۔ ایک علما کرام، دوسرے امراء اور تیسرے فقرا۔ جب علماء میں
فساد ہوگا تو لوگوں میں شریعت کی پیروی اور اطاعت میں فساد ہوگا۔ یعنی شریعت
کی اطاعت ختم ہو جاتی ہے۔ جب امراء خراب ہوتے ہیں تو عوام کی معاش
خراب ہوتی ہے اور جب فقراء خراب ہو جائیں تو لوگوں کے اخلاق و عادات
خراب ہو جائیں گے۔ علماء کی تباہی مال و دولت کی طمع و حرص کی وجہ سے ہوتی
ہے۔ امراء اور بادشاہوں کی تباہی ظلم کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جبکہ فقرا کی تباہی
مرتبہ اور سرداری کے لالچ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ریا کاری خدا پر
توکل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے مخلوق کی تباہی ان تینوں گروہوں
کے سبب / واسطے سے ہوتی ہے"۔

ہندو پاکستان میں چھٹی صدی ہجری میں سلاسل عالیہ چشتیہ، قادریہ،
سہروردیہ اور نقشبندیہ مختلف راستوں سے وارد ہوئے۔ اس میں سلسلہ عالیہ
چشتیہ نے اپنے خانقاہی نظام اور درس و تدریس کا مرکز اجمیر شریف رکھا۔ اس
کے بعد دوسرا مرکز دہلی بنایا۔ جہاں پر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے
سپرد یہ نظام کیا۔

بزم جہاں ان کے جمال کمال سے روشن ہے اور نگاہ ان کے کمال
جمال سے منور ہے۔ آج ان درویشوں کو دیکھنے کی اور زیارت حاصل کرنے کی
کتنے قلوب تمنائی ہیں۔

ہر جا کہ روی مہر و وفا یار تو باد
آرام و فراغت ہمہ جا یار تو باد
از نامہ و پیغام فراموش مکن
یاد آوریم بکن خدا یار تو باد

بزرگان دین کے اخلاق، انداز گفتگو اور نظر کرم۔ ان کے کس کس
گوشے کی مدح سرائی کریں۔۔

ہر ایک عنوان دردِ فرقت ہے ابتدا شرح مدعا کی

مشائخین کی ہم نشینی محض مقصود ایں است کہ انہی کے نقش قدم پر
چل کر اعلیٰ کردار اور بلند و بالا اخلاق کو اپنائیں اور روشناس ہو سکیں۔ اسلام
میں یہی ایک خوبی ہے کہ وہ اپنے کردار، گفتار، رفتار، اور دستار سے ہی انسانی
قلوب و دماغوں پر چھایا پڑا ہے۔ اور انہی خوبیوں کی بنا پر ہندوستان و پاکستان کیا
تمام دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگیا۔ اسی سرزمین میں سب سے پہلے صحابہ کرامؓ
تشریف لائے۔ یہاں پر تبلیغ اسلام نے خفتہ انسانوں کی قسمت کو جگایا اور مردہ
ضمیر کو جھنجھوڑا۔ اخوت پرستی کا درس دیا۔ بزرگوں سے ادب اور چھوٹوں سے
محبت کے طور طریق بتلائے۔ انسان کو معاشرہ میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا
دروس الادب دیا۔

وقد جمع اللہ قبیل الانام
ولیس علیہ بمستنکر

ترجمہ! اللہ نے تیری ذات میں سب خلق جمع کر دی ہے اور یہ سب کچھ اس پر دشوار نہیں۔

لا تحقرنّ قلیل من احبتہ
ان القلیل من الحبیب کثیر

ترجمہ! اپنے محبوب کی کم توجہ کو کم نہ سمجھو۔ دوست کا تھوڑا بھی بہت ہوتا ہے۔

پیش نظر دیباچہ میں سلسلہ عالیہ وارثیہ کے جن بزرگان دین کا ذکر "محبوب الوارثین" میں درج ہے۔ ان کو پردہ کئے ہوئے ۴۰ / ۵۰ سال ہو چکے ہیں۔ اس وقت سوچتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل کی بات ہو۔ ان کی صحبتوں کی ایک ایک بات جب کبھی صفحہ دماغ پر ابھرتی ہے تو ان کی یاد آتی جاتی ہے۔ اور اب اس دور کی تمام باتیں ہی خواب و خیال ہو گئیں۔

میں ان سے اس کے سوا اور کیا کرم چاہوں
میں یاد کرتا ہوں وہ یاد آئے جاتے ہیں

یہ مسیحا دم ایک ایک کر کے سب سدھار گئے۔ یہ پندرھویں صدی ہجری کا دور دورہ ہے۔ وہ صحبتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ اب ایک بھی نفسے مسیحا میسر نہیں آتا۔ جس سے دو گھڑی بیٹھ کر اپنے ذوق و شوق اور محبت کی چار باتیں کریں۔ اور ایسے بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ موجودہ دور کے سانچوں میں

ڈھل جائیں۔

دماغ و دل دریں جاگاہ گاہے چاق می گردد
خدا آباد تر سازو خرابات محبت را

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اگر پچھلی صفیں نہیں رہیں یا الٹ چکی ہیں مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی صاحبِ فضل و کمال آج بھی موجود ہیں۔ جن کے دم قدم سے یکجائی و بزم آرائی ہے۔

زجامِ لعل تو مستم شراب راچہ کنم
خوشم بسوز دل خود کباب راچہ کنم (خواجہ آصفی)

بجرم عشق اگر کشتی مرا ممنوں احسانم
گناہ زاہد بیدرد یا رب چیست حیرانم
(شیخ علی حزیں)

من شیشہ بدل دارم پیمانہ بدل دارم
قربان نگاہ تو میخانہ بدل دارم

اب صحبتیں درہم برہم ہو رہی ہیں۔ جو رونق بزم اور اپنی ذات سے ایک انجمن تھے۔ زیر خاک جا سوئے۔

مجنوں بہ ریگ بادیہ غمہائے خود شمرد
یاد زمانۂ کہ غمِ دل حساب داشت

غم صرف اسی کا نہیں کہ یہ بزرگ ہستیاں ہم سے جدا ہو گئیں۔ غم اس کا ہے کہ وہ دنیا ہی مٹ گئی جس دنیا میں یہ لوگ مخلوق تھے۔ اب نہ وہ دنیا واپس آ سکتی ہے اور نہ وہ صورتیں اور مسرتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ہم اس کاروانِ رفتہ کے چند پس ماندگان راہ رہ گئے ہیں۔ جنہیں نہ تو قافلہ کا سراغ ملتا

ہے، نہ منزل سے آشنا ہو سکتے ہیں، نہ ہمیں کوئی پہچانتا ہے نہ ہم کسی کے شناسا ہیں۔

افسوس کہ گل رخاں کفن پوش شدند
وز خاطر یک دگر فراموش شدند
آنانکہ بصد زباں سخن می گفتند
آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

مسلمان پہلی ہی دو تین صدیوں میں پاک و ہند کے بلاد ساحلیہ مشرق و مغرب پر چھا گئے۔ سیاست اور معاشرت میں عمیق اثر و رسوخ پایا۔ وزارت و نیابت اور تجارت سے ملک کے انتظام اور اس کے مالیات میں اہم سے اہم مرتبہ پایا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی اشاعت کر کے بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا۔ مساجد مقابر بنائے اور اپنے مبلغین اور صالحین کے لئے مرکز قائم کئے۔ مدور اور ترچنا پلی کے مسلمان ایک ولی اللہ نے کئے۔ قبر ترچنا پلی میں ہے۔ وفات ۴۱۷ھ۔ یہ سادات میں سے تھے۔ روم کے ایک علاقے پر ان کی حکومت تھی۔ اسی ولی کا ایک مرید بابا فرید الدین صوبہ مدراس کے شہر Penu Konda (پینو کونڈا) کے دستکاروں کے پیر اور سیستان کے بادشاہ تھے۔ بادشاہی چھوڑ کر فقر اختیار کیا اور دو سو فقیروں کے ہمراہ بحکم ولیِ ترچنا پلی تبلیغ کے لئے نکلے۔ راجہ کو مسلمان کیا اور راجہ کی وجہ سے عوام بھی مسلمان ہو گئے۔ غالباً مالا بار ہی سے اسلام لکادیو مالدیو کے جزائر میں جا پہنچا۔ ایک مغربی بربر حافظ ابوالبرکات نے کرامت دکھا کر ایک عفریت کو بھگا دیا۔ اس پر جزیرہ مالدیو کا راجہ شنو رازہ مسلمان ہو گیا۔ اندرون ملک میں جن اکابرین نے رشد و

ہدایت کا چراغ روشن کیا۔ ان میں حضرت غریب نوازؒ (اجمیر شریف) شیخ نصیر الدین روشن چراغ دہلوی، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (یہ سب دہلی میں) سید محمد بندہ نواز گیسو درازؒ (حیدر آباد دکن) ۸۰۲ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے دارالحکومت گلبرگہ میں پہنچے۔ سلطان نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ تقریباً ۲۳ برس دیار دکن میں مقیم رہے۔ ضلع پونا اور ضلع بلگام میں کئی غیر مسلموں کو زیور اسلام سے آراستہ کیا۔

صوبہ بمبئی کے ضلع تھانہ کے علاقے میں وہنو کے مقام پر جناب سید غوث پاکؒ کے قرابت داروں نویں صدی ہجری میں کو نکن کے بہت سے لوگوں کو اپنے دست حق پرست پر بیعت کیا۔ ان کا وصال کو نکن میں ہوا۔

دسویں صدی ہجری میں ہاشم پیر گجراتی نے علاقہ "دھاروار" میں لاتعداد ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ بیجاپور کے سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے پیرو مرشد تھے۔ ناسک میں سید شاہ محمد صادق، سرمست حسینی کے مورثِ اعلیٰ، مدینہ شریف سے مغربی ہند میں مختلف جگہوں پر تبلیغ کی اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ چوتھی صدی ہجری میں چار مسلمان سیاحوں نے سندھ، ملتان اور منصورہ کا دورہ کیا۔ مسعودی، اصطخری، ابنِ حوقل اور مقدسی ان کے بیانات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہلِ ملتان کو قرآن اور علم قرآن میں سات قرأتوں کے حاصل کرنے اور علمِ فقہ کا شوق ہے۔ ادب و علم کے طالب بھی بہت ہیں۔ تاجر لوگ اہلِ عراق و فارس کی طرح قمیص اور ردا پہنتے ہیں۔

منصورہ کے متعلق ابن حوقل لکھتا ہے۔ "یہاں کے لوگ مسلمان ہیں۔ ان کا رئیس ایک قریشی ہے جو ہبار بن الاسود کی اولاد ہے۔ اس نے اپنے

حسن انتظام سے رعایا کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور وہ اب ان کے سوا دوسرے کو نہیں چاہتے۔ سندھ اور اس کے آس پاس کے علاقے اور ہندوستان اور بیرونی دنیا کے تجارتی تعلقات عربی تاجر کے ذریعے سے قائم تھے۔ چین اور جزائر اور لنکا سندھ وہند کا مال ترکستان، خراسان اور مغربی ممالک کو پہنچاتا ہے۔ یہی تاجر مبلغ اسلام بھی تھا۔ مسلمان حکمرانوں اور ان تجار کی وجہ سے اہل علم اور فقراء بھی اسلامی ممالک سے ان اطراف میں چلے آئے تھے"۔

ان میں سے ایک ابو حفص ربیع بن صبیح السعدی البصری تھے جو اتباع تابعین میں سے تھے اور ثقہ محدث راست گو عابد اور مجاہد بصرہ کے اندر پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اسلامی زمانے میں حدیث پر کتاب تصنیف کی۔ حسن بصری اور عطاء سے حدیث روایت کی اور سفیان ثوری، وکیع اور ابن مہدی نے ان سے۔ میں ۱۶۰ھ میں سندھ میں فوت ہوئے۔

ٹھٹھہ میں ایک اور تبع تابعین شیخ ابو تراب سعید بنو عباس سندھ کے بعض اماکن کے والی تھے۔ ۱۷۱ھ میں شہید ہوئے۔ روایت ہے کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے سید یوسف الدین کو خواب میں ہدایت فرمائی کہ تبلیغ اسلام کے لئے وہ ہند جائیں۔ چنانچہ وہ بغداد سے روانہ ہو کر ۸۲۴ھ مطابق ۱۴۲۲ء میں سندھ اور لوہانوں میں تبلیغ کی اور سینکڑوں گھرانوں کو مسلمان کیا۔ حسین بن منصور المعروف بہ حلاج بھی قرملی دعاۃ کے رنگ میں دنیا بھر پھرے۔ بصرہ سے اہواز ہوتے ہوئے ہند میں آئے اور خلق خدا کو راہ ہدایت دکھاتے رہے۔ وصال ۳۰۹ھ میں ہوا۔

انیسویں صدی عیسوی میں ضلع بارہ بنکی (یو۔ پی بھارت) میں رسول

پور کنتور کے قصبے ایک خانوادہ سادات کاظمی نیشاپوری میں ایک برگزیدہ ہستی نے جنم لیا۔ جن کی ولادت باسعادت سے پانچ پشت قبل صاحب بصیرت اور صاحب دل بزرگ حضرت سید عبدالرزاق شاہ قادری علیہ الرحمتہ بانسوی نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کا سلسلہ عالیہ پاک وہند کے علاوہ تمام دنیا کے اندر پھیل جائے گا۔ اور اہلِ سلاسل ان پر فخر کریں گے۔ آپ کا نام نامی اسمِ گرامی حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ اعلیٰ مقامہ تھا۔ آپ امام حسین علیہ السلام کی چھبیسویں پشت میں سے تھے۔ آپ کے مریدین کی تعداد لاکھوں تک تھی۔ تمام دنیا کے اندر ان کے پیروکار وارثی کہلواتے ہیں۔ ان کے مریدوں میں ہندو، مسلمان، یہودی، نصرانی اور بھنگی و خاکروب سبھی شامل ہیں۔ آپؒ کی زبان گوہر فشاں سے جو الفاظ نکل جاتے وہ من وعن اسی طرح ظہور پذیر ہوتے۔ آپ کا درس فقط "محبت کرو، محبت کرو" تھا۔ غیر مسلم ہندو / یہودی وغیرہ کی بیعت لیتے وقت رشد وہدایت فرماتے۔ پتھر کو نہ پوجنا، جھٹکے کا گوشت نہ کھانا، ہاتھوں کے سچے رہنا۔ حاجی صاحبؒ کے فقراء بھی سلسلے کی تبلیغ اور اقامتِ اصلاح کے لئے بہت زیادہ کوشاں رہے ہیں۔

پیش لفظ

حرم جویاں درے را می پرستند
فقیہان دفترے را می پرستند
بر افگن پردہ نامعلوم گردد
کہ یاراں دیگرے را می پرستند

مسلمانوں کے فکر و عمل کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جس پر تصوف سے زیادہ تنقید و تبصرہ کیا گیا ہو۔ ماخذ سے لے کر مقاصد اور اثرات تک اس کے ہر ہر پہلو پر انتہائی شد و مد کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے۔ ناقدین نے صرف اس کے سرچشموں ہی کو غیر اسلامی بتانے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ملت اسلامیہ کے اکثر امراض کا باعث اس کو قرار دیا ہے۔ کشمکش حیات سے گریز راہبانہ زندگی، اتباع شریعت سے انحراف غیر اسلامی فکر و کردار غرض طرح طرح کے الزامات تصوف اور صوفیائے کرام پر عائد کئے گئے ہیں۔ بعض ناقدین نے تو اپنے لہجے میں اس قدر سختی پیدا کرلی ہے کہ صدق و انصاف کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ انہوں نے تاریخی حقائق سے چشم پوشی کر کے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تصوف اسلام کے رخ روشن پر ایک بدنما داغ تھا یا ہے۔ اگر یہ الزامات صرف

صوفیاء عظام اور مسخ شدہ تصوف پر ہیں تو ان کی صداقت میں کلام نہیں۔ لیکن اگر بلا استثناء تصوف اور صوفیاء کرام پر ہیں تو غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن بھی ہیں۔ حقیقی تصوف مذہب کی روح اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے۔ اس کی اساس شریعت ہے۔ اور سرچشمہ قرآن و حدیث ہے۔ تاریخ تصوف کی ہر کتاب ہر دور میں اس کی گواہی کے لئے کافی ہے۔ صفحے کے صفحے تاریخ تصوف کے الٹتے جایئے۔ صرف زبان ہی سے نہیں، عملاً" کتاب و سنت کی تلقین ملے گی۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔ ۔

بہ مے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزل ہا

حضرت نصیر الدین" روشن چراغ دہلوی ایک ہدایت میں فرماتے ہیں "مشرف پیر حجت نمی شود دلیل۔ از کتاب و حدیث می باید" یعنی شیخ کا طریقہ کار حجت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دلیل قرآن و حدیث سے ثابت ہونی چاہئے۔

حضرت جنید" بغدادی ایک مقام پر یوں فرماتے ہیں "ایں کتاب ایں راہ کسے باید کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر دست چپ و روشنائی ایں دو شمع می رود، تانہ در مغاک شبہات افتد نہ در ظلمت بدعت" (ترجمہ) یہ راہ تو صرف وہی پا سکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہو، بائیں ہاتھ میں سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے، تاکہ نہ تو شبے کے گڑھوں میں

گرے نہ بدعت کے اندھیرے میں پھنسے۔

حضرت شیخ ابوالحسن" علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش" روحانی ترقی کے لئے اتباع شریعت کو لازمی قرار دیتے ہوئے' اتباع شریعت کی ایسی تعریف فرماتے ہیں کہ اجمع امت کا اتباع بھی اس کا ایک لازمی جزو بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے' قرآن میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسرا رکن سنت ہے۔ جیسا کہ فرمایا جو کچھ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اس پر عمل کرو اور جس بات سے منع فرمایا ہے۔ اس سے بچو اور تیسرا رکن اجماع امت ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ اختیار کرو سواد اعظم کو۔ کہاں وہ کتاب و سنت سے بے توجہی کا الزام اور کہاں اجماع امت کی تلقین حقائق سے بے اعتنائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مشائخ نے جگہ جگہ اپنے متعلقین اور مریدین کو ہدایت کی ہے کہ اگر کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی زندگی کو شریعت و سنت کے آئینہ میں دیکھا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفیا صافی کا ہمیشہ عقیدہ یہ رہا ہے کہ جس عمل کو کتاب و سنت رد کر دیں وہ زندقہ ہے۔ جس شخص کو زندگی شریعت و سنت کے مطابق نہیں۔ اسے صوفیا کے طبقے میں شمار ہی نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے عمل کو تمام صوفیا کا عمل تصور کر کے تصوف پر تنقید کی جائے۔ پھر کچھ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تصوف جہلاء کا مسلک تھا اور صوفیہ کرام علم دین سے نابلد تھے۔ مشائخ کے حالات کا سرسری مطالعہ بھی اس الزام کی نوعیت

دریافت کرنے کے لئے کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز پر ان بزرگوں نے سب سے زیادہ زور دیا وہ علم ہی تھا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ جاہل پیر مسخر شیطان ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔ "پیر آنچناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد۔ چوں ایں چنیں باشد او خود' ہیچ نا مشروع نہ فرماید"۔ پیر ایسا ہونا چاہئے کہ احکام شریعت طریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو خود کسی نہ مشروع چیز کے لئے نہ کہے گا۔ تاریخ چشت گواہ ہے کہ حضرت محبوب الٰہی" کا یہ اصول تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو جو عالم با عمل نہ ہو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے۔

علامہ ابن جوزی تصوف کے حامیوں میں نہیں تھے۔ لیکن ان کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔ **وما کان المتقدمون فی التصوف الا روسا فی القرن والفقہ والحدیث والتفسیر** قدمائے صوفیاء کرام پر ایک عام الزام رہبانیت کا ہے۔ لیکن الزام لگانے والوں نے کبھی یہ غور نہیں کیا کہ جس چیز کو صوفیہ نے ترک کیا وہ دنیا نہ تھی' دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا۔ وہ کہتے تھے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں سے فائدہ اٹھائے۔ اس کائنات کی ایک ایک چیز سے مستفید ہو لیکن اس طرح دنیا کی محبت اس کے دل کو آلودہ نہ کرنے پائے۔ جب جان دینے اور اس کی لذتوں سے دستبردار ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ لبیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑے گویا بھوکے کو غذا کی اور پیاسے کو پانی کی پکار

سنائی دی۔ اس کی زندگی کا مرکز و محور رضائے خداوندی بن جائے اور اس کے
قلب کی بے چین دھڑکنیں صبح و شام پکارنے لگیں۔

مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

حضرت شیخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے یہ الفاظ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔
فرماتے ہیں۔ "ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند۔ مثلاً لنگوتہ بہ بندد و
بنیشنند ترک دنیا آں است لباس بپوشد و طعام خورد و آنچہ می رسد روا بدارد و
مجمع او ہل نہ کند و خاطر را متعلق چیز ندارد ترک دنیا است"۔ (ترجمہ) ترک دنیا
کے یہ معنی نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو ننگا کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے۔
بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے اور کھائے بھی اور حلال کی چیز پہنچے اسے
روا رکھے لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف رغبت نہ کرے اور دل کو اس سے
نہ لگائے۔ ترک دنیا یہ ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں، فقیر وہ نہیں ہے
کہ اس کا ہاتھ متاع اور توشہ سے خالی ہو بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبعیت مراد
سے خالی ہو۔ اگر یہ رہبانیت ہے تو پھر یہ طے کرنا ہو گا کہ اسلام کی تعلیم کیا
ہے۔ شاید حقائق سے اس بے اعتنائی کا ثبوت کبھی نہیں دیا گیا۔ جتنا یہ کہ
صوفیائے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل کر دیا۔ یہ الزام غلط اور بے بنیاد ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ روح پھونکی ہے
اور زوال اور انحطاط کے زمانہ میں تجدید کے راستے تلاش کئے ہیں

اور یہ ہی ان کے کارناموں کا ایک ایسا گوشہ ہے جس کا اب تک تعصب اور
تنگ نظری سے الگ ہو کر جائزہ نہیں لیا گیا۔ تاریخ کے طلبا نے شاہی خاندانوں
کے عروج و زوال کی داستانوں میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح گم کر دیا ہے کہ
ان کے نزدیک تاریخ صرف دربار اور میدان سیاست و جنگ سے ہی عبارت ہو
کر رہ گئی ہے گویا حکیم ثنائی کا یہ دعوت نامہ ان کے کانوں تک نہیں پہنچا۔ اے
کہ شنیدہ صفت روم و چیں۔ خیز و بیا ملک ثنائی بہ بیں۔ مذہبی تذکرہ نگاروں نے
اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس طرح کہ ان بزرگوں کے اصلی خدوخال
ہی چھپ گئے۔ اور ماحول کے صحیح پس منظر کے ساتھ نہ ان کو دیکھا جا سکا اور نہ
انسانیت کی سطح پر ان کی عظمت و بلندی کا اندازہ لگایا جا سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان
بزرگوں کی سوانح حیات کے حالات بنی نوع انسان اور ملت ضروریات کے آئینہ
میں دیکھے جائیں تاکہ ان کے صحیح خدوخال نمایاں ہو سکیں۔ کیا ان اسباب کا
تجزیہ ممکن نہیں جنہوں نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک
اثرات سے بچایا اور زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے
فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کیں۔ انگلستان کے ایک مشہور اور ذی علم مشرقی
پروفیسر ایچ اے آر گب (H . A . R . GIBB) نے ایک مرتبہ آکسفورڈ
یونیورسٹی مجلس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا "تاریخ اسلام میں بارہا ایسے
مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ لیکن بایں
ہمہ و مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا انداز فکر
فوراً" اس کی امداد کو آ جاتا تھا اور اس کو اتنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ
کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"

پروفیسر گب کی رائے سے ہمیں پورا پورا اتفاق ہے۔ اسلامی تاریخ
میں صوفیا کرام کے کارنامے یقیناً اس نظر سے خاص توجہ کے مستحق ہیں۔
مسلمانوں کی ملی زندگی میں جب کوئی مشکل مقام آیا ہے تو ان ہی بزرگان دین
بصیرت اور حکمت کے ساتھ نامساعد حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ ان کا ہاتھ ملت کی
نبض پر اور ان کا دماغ تجدید اور احیاء کی تدبیریں سوچنے میں مصروف رہتا ہے۔
اسلامی سوسائیٹی کا صحیح مزاج قائم رکھنے کے لئے انہوں نے بڑی پر خلوص
جدوجہد کی تھی۔ حقیقت میں اس حکم خداوندی کی تعمیل کہ **ولتکن منکم امۃ
یدعون الی الخیر یا مرون بالمعروف و ینھون عن المنکر** اور تم میں سے
ایک وقت ہونا چاہئے جو خیر کی طرف بلائے اور ممنوعات سے روکے۔ ان ہی
کے ذریعے اسلامی تاریخ کا اگر بطور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان بندگان
خدا نے کس طرح **یدعون الخیر** اور **ینھون عن المنکر** کی خدمات انجام دی
ہیں۔ جب مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا دور آیا اور عسکری کامیابیوں نے آنکھوں
کو خیرہ کر دیا تو بزرگان دین مادیت کے سیلاب کو روکنے میں لگ گئے۔ جب
سیاسی نظام درہم برہم ہوا تو مذہبی انتشار کے خلاف لڑنے لگے۔ جب قوم کا
اخلاقی مزاج بگڑا ہوا پایا تو انہوں نے اپنی تمام ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند
عناصر کو ابھارنے میں صرف کر دیں۔ میر خورد نے کیا اچھی بات فرمائی ہے۔ وہ
خدا کے دین اور پیغمبر علیہ السلام کی سلطنت کے لئے مضبوط قلعے تھے۔

کوئی انسانی تحریک خواہ وہ کتنی ہی اچھی نہ ہو جب افراط و تفریط عمل و
رد عمل کا بازیچہ بنتی ہے تو اس کی شکل مسخ ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ فقہ اسلامی کی
تدوین نے مسلمانوں کی دینی اور سماجی زندگی کو سنوارنے میں عظیم الشان کام

کیا، لیکن جب اس کو حیلہ بازیوں اور مکاریوں کا ذریعہ بنایا گیا تو مسلمانوں کی
عملی زندگی بالکل بے روح ہو کر رہ گئی۔ متکلمین نے اسلام کو یونانی فلسفہ کی زد
سے بچانے میں بڑی خدمت کی لیکن جب علم کلام نے شبہات و شکوک پیدا کرنا
اپنا مقصد بنا لیا تو مسلمانوں کی ذہنی زندگی میں بڑا خلاء اور انتشار پیدا ہوا۔ یہی
حال تصوف کا بھی ہوا۔ جب باطنی زندگی کو ظاہری زندگی سے الگ کیا گیا تو
شریعت طریقت کی تفریق پیدا ہو گئی۔ دنیا پرست سے گریز کو انسانیت کی شکل
دے دی گئی۔ مجاز پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، نغمہ و سرود کو روحانی ترقی کا لازمی
جزو قرار دے دیا گیا۔ بے شک یہ سب گمراہیاں تصوف میں پیدا ہوئیں لیکن
اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ صوفیہ صافی نے ہمیشہ ان
گمراہیوں کے خلاف آواز بلند فرمائی ہے اور ان نامساعد عناصر کو خارج کرنے
کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے ہیں۔ مغربی تعلیم ہی کسی کو ترقی کی چوٹی پر نہیں پہنچا
سکی۔ اگر ایسا ہو تو آج یہ رونا کیوں ہوتا اور قوم کو کسی دوسری طرف توجہ کرنے
کی ضرورت ہی کیوں رہ جاتی۔ اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانان ہند و
پاکستان کو وہ کون سا عمل اختیار کرنا چاہئے کہ ان کی پستی رفع ہو اور وہ دنیا میں
ایک معزز قوم کے زمرہ میں شمار ہوں۔ خداوند تعالیٰ نے ہمارے لئے دنیا میں
باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مکمل قانون بنا دیا ہے جس میں بچپن سے
لے کر آخر زندگی تک مختلف مدارج کے لحاظ سے ہر ضروری حکم موجود ہے مگر
بدنصیبی سے ہم اس سے عموماً ناواقف ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا کوئی کام،
قرینہ اور ڈھنگ سے انجام ہی نہیں پاتا اور سچ پوچھئے تو اب بے دست و پا ہو
رہے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی قانون پر ہمارے اسلاف نے عمل کیا تو
دولت و عزت میں ان کا کوئی ہم پلہ اور ہمسر نہ تھا اور جب سے اس قانون کی
حدود سے باہر ہم نے قدم رکھا' ہم ہر لحاظ سے روز بروز گرتے چلے گئے اور
گرتے چلے جا رہے ہیں۔ تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ ہسپانیہ سے ہمارا نام و
نشان مٹا کیوں بے علمی کی وجہ سے یورپ سے صدیوں حکومت کرنے کے بعد
بڑی بے توقیری سے نکالے گئے۔ کیوں بے عمل قرآن و سنت سے غفلت کی
وجہ پاکستان و ہندوستان میں مسلمان کی جو ناگفتہ بہ حالت ہے' ظاہر ہے۔ تجربہ
بتا رہا ہے کہ اس پر عمل کے بغیر قوم کا بیڑا منجدھار سے صحیح سلامت نہیں نکل
سکتا اور نہ ہم دنیا میں کسی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔ نہ ہماری آخرت درست
ہو سکتی ہے۔ نہ ہماری آئندہ نسلیں سعادت مند اولاد بن سکتی ہیں۔ نہ فرض
شناس والدین نہ اچھے میاں بیوی' نہ حاکم نہ تاجر نہ قاضی' نہ مفتی نہ ملا نہ
روحانی پیشوا نہ بہادر سپاہی نہ سچے لیڈر نہ تو ہم میں ہمت آ سکتی ہے۔ نہ
جوانمردی' نہ شجاعت نہ گھر میں چین و سکون یک بے تابی کی زندگی ہے جو ہمارا
نصیب ہو کر رہ گئی ہے۔ کیوں؟ سوچئے تو معلوم ہو جائے گا۔ جب تک ہم حضور
سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بتائے ہوئے قانون قرآن و سنت پر
عمل نہیں کرتے۔ صاحب نظر باکمال بزرگان دین سے معانقہ نہیں کرتے۔ ان
کے حضور زانو تلمذ تہ نہیں کرتے۔ سوز و گداز کی میراث جب تک ان کے
حضور سے ہمیں نہیں ملتی۔ یا دانست قرآن و سنت کی روشنی نہیں ہوتی۔ اس
وقت نہ تو اپنا کوئی کام کامیابی سے چلا سکتے ہیں' نہ اس کا کوئی ذریعہ ہے۔ غرض
کہ ہم کچھ بھی کریں۔ جب تک حضور شہنشاہ دو جہاں سرور عالم علیہ السلام کی

تقلید ہمارا سرمایہ نہیں بنتی' محبت عشق جب تک ہمارے قلب کی جاگیر نہ بنے۔
ہم مایوس و ناکام رہیں گے۔

اس کے لئے تصوف و معرفت کے اصل تاجدار جو ہیں ان کے حضور
غلامی اختیار کرنا ضروری ہے۔ انہیں کی محفل و مجلس ہمیں سلیقہ محبت و عشق
کے سوز و گداز کے مراحل سے گزار سکتی ہے۔ اسی کی تابعداری غلامی صراط
مستقیم پر چلا سکتی ہے۔ یہ آنکھیں بند کر کے چلنے کا نہیں بلکہ آنکھیں کھول کر
آنکھوں میں جب تک محبت و سوز و گداز کی روشنی نہ آ جائے راہ مستقیم کو
حاصل کرنے کے لئے جب تک تم آنکھوں اور قلب کو سیر کراتے ہوئے اصل
خوراک مہیا نہ کریں' منزل مقصود تک پہنچنا محال ہے۔ زبانی جمع خرچ سے
اسلام سے کچھ نہیں بنتا۔ اسلام ایک عملی زندگی کا نام ہے۔ عملی زندگی تصوف
معرفت جس میں قرآن و سنت ہے۔ اس میں سے میسر آ سکتی۔ جس طرح ایک
مطالعہ کے بعد ثابت ہوا کہ حضور سرکار عالم پناہ وارث ارث علی جو چھبیسویں
پشت امام عالی مقام سید السادات شہید اعظم سرور کونین نواسہ تاجدار انبیاء
شہید کربلا ہیں۔ جس کی دنیا میں آمد سے پانچ پشت قبل کائنات میں نوید پہنچا دی
گئی تھی کہ پانچویں پشت میں تصوف کا وہ روشن چراغ عشق و محبت کا وہ تاجدار
ذات کبریا کے صفاتی نام کے ساتھ راہ ہدایت کی ایک خاص شمع روشن کئے
ہوئے دنیا میں تشریف لائے گا۔ جس کے عقیدت مندوں محبت کرنے والوں کو
بغیر اس کے دیکھنے کے کسی ورد و ظائف مراقبہ ذکر فکر کی ضرورت نہ ہو گی۔ اس
نور واحد کی صورت جو جمال اول اور آخر ہے خاص پرتو سے بھرپور ہو گی۔
کائنات عالم کو راہ مستقیم کے لئے انسان کو ایک نیا شعور عطا فرمایا۔ لہٰذا اس

محبوب صورت نے مذہب و ملت کی تمیز ختم کر کے انسان جو نسل آدم علیہ السلام ہے۔ اسے خاص محبت و اخلاق کی تعلیم سے نوازا۔ سرکار سیدنا و مرشدنا و مولانا حاجی سید وارث علی شاہ صاحب قبلہ و کعبہ کی آمد کا پیغام قبل از وقت بے شمار بزرگوں نے خاص طریقہ سے اظہار فرمایا۔ جو طوالت کے پیش نظر مکمل لکھنا تو مشکل ہے، تھوڑا سا لکھ دیتے ہیں۔

حیات وارث میں محترم بزرگوار جناب ابراہیم بیگ صاحب شیدا وارثیؒ جو سرکار عالم پناہ کے حضور مقبول تھے۔ عرصہ دراز خدمت میں گزارا اور بے شمار پرانے لوگوں سے مل کر مطالعہ کیا، یوں فرماتے ہیں "مقربین بارگاہ احدیت کی ولادت باسعادت کی بشارت اکثر مقدس اور ابرار حضرات دیتے ہیں جس کو دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ ان کی آمد آمد کا منجانب ذات کبریا اعلان ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا ہمارے حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کا تذکرہ سیکڑوں برس پہلے اولیائے عظام نے اپنے اپنے وقت میں فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ بکمال شرح و بسط حضور کے صفات و برکات کے ساتھ آپ کے مسلک و مشرب سے بھی خلق کو خبردار کر دیا ہے۔ جن پیشین گوئیوں کو مولفین سیرت وارثی تحریر فرما چکے ہیں۔ بلکہ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ بانسوی قدس سرہ العزیز کی پیش گوئی اور حضرت شاہ نجات اللہؒ کا کشفی ارشاد اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب مولد لکھنویؒ کی بشارت کو مناسک و وضاحت کے ساتھ صاحب مشکوٰۃ حقانیہ نے لکھا ہے۔ لہٰذا ضرورت نہیں۔ تھوڑی وضاحت کر لیتے ہیں۔ سید ناظم علی صاحب رسول پور کنتوری ضمیمہ سید السادات قلمی میں تحریر فرماتے ہیں، جو اس نادار نے خود مطالعہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم وارث ارث علی کے جد امجد

میراں سید احمد علیہ الرحمتہ ۱۱۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور جب والد بزرگوار سے کتب درسیہ میں فراغ حاصل کیا اور قصبہ دیوئی شریف میں جو اس وقت دارالعلوم تھا سلسلہ درس و تدریس جاری فرمایا۔ اور چونکہ صاحب حقائق و معارف تھے۔ اس لئے بہ نظر ہدایت باب علوم طریقت کشادہ تھا اور طالبان حق کو رموز حقیقت سے مستفیض فرماتے تھے۔ ایک روز ممدوح الصفات دولت کدے کے قریب برلب تالاب چند یاران طریقت سے گرم سخن تھے کہ ایک صاحب باطن درویش نے قریب آ کر کہا "السلام علیک و علی اوث الذی فی صلبک ان اللہ تبارک تعالیٰ قد نور سمالم بنووہ والوبی الارض بظھوروہ نطوبی لکم یا سیدی"۔ میراں سید احمد فرمود آرے می بینم عیم مشکبارش در چمنستان عالم منتشر و ضیائے حسن و جمالش چوں مہر تاباں و نشر۔ حاضرین صحبت متفسر حال ہوئے کہ ہم کچھ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس بزرگ درویش نے کس فرزند ارجمند کی آپ کو بشارت دی اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اگر مضائقہ نہ ہو تو اس اسرار سے ہم کو بھی خبردار کیا جائے۔ میراں سید احمد فرمود کہ حق تعالیٰ مرا فرزندے کرامت فرمود کہ در صلب پنجم و صلب من ظاہر خواہد شد الحق اور نور دیدہ میراں سید احمد است و جگر بند میران سید احمد است کہ اعداد اسم پاکش بہ ہمیں ہر دو کلمہ بیرون آہند و اسم او از یکے اسم ذات است و صفات اور بیرون از حدود است مقام علویش پایاں ندارد و نظام سلوکش کہ بے شمار در شخصیت در شبستان مصطفوی و سرویست از گلستان مرتضوی فقر کاشانہ او و سرا ست مخانہ او میستان عشق را شیر ببر تاجدار اقلیم رضا و صبر در عہد خود از شرق تا غرب متصرف خواہد شد گبر ترسا یہود و نصاریٰ مسلم و

مشرک بلکہ ہر مذہب و ملت را رہبر کامل شدہ ہر کسے را بمرادش خواہد رسانیند در اقطار عالم ہر گوشہ کہ می بینم نشانش می یابم رہروان منزل تفرید سالکان وادی تجرید عزلت نشیناں بساط طریقت غواصان قلزم حقیقت بادہ نوشاں میخانہ محبت سرمستان خمخانہ مودت عقدہ کشایاں اسرار معرفت مسند نشیناں کاخ مکرمت شہسواراں سیدان ابتلا سر حلق گان مکتب ولا نظربازان منزل ناسوت را زواران انجمن ملکوت سرفروشان میدان جبروت مدہوشان بام لاہوت ہمہ حلقہ بگوش آں بادہ فروش خواہند شد۔

حضرت میراں سید احمد قدس سرہ العزیز کا یہ مکاشفہ جو آپ کی قوت روحانی کی بین دلیل ہے اور جس کو صحیح معنی میں حضور قبلہ عالم کی ولادت باسعادت کا مژدہ اور آپ کی عظمت و جلالت کا جلی خط میں اعلان کیا جائے تو بے جانہ ہو گا۔ لیکن اس مرد خدا رسیدہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ جس نے آکر میراں سید احمد سے کہا السلام علیک و علی ولاک الذی فی صلبک اور میراں سید احمد علیہ الرحمتہ کے ان یاران طریقت کے ہم شکر گزار ہیں جن کے استفسار سے سید صاحب ممدوح الشان نے اپنے اس مکاشفہ کو بکمال وضاحت اظہار فرمایا۔ واقعی مردان حق کا کلام بھی حق ہوتا ہے۔ میراں سید احمد علیہ الرحمتہ نے جو فرمایا تھا کہ اس کا بہ ہمہ قیود و صفات ظہور ہوا کہ آپ کی پانچویں پشت میں بایں سلسلہ کہ آپ کے صاحبزادہ سید کرم اللہ اور ان کے فرزند سید سلامت علی اور ان کے نور دیدہ سید قربان علی شاہ اور ان کے لخت جگر سیدنا وارث علی شاہ اعظم اللہ ذکرہ منصہ شہود پر جلوہ افروز ہوئے جن کا وجود باجود اہل علم کے لئے عین رحمت خداوندی ہے جیسا کہ اس برگزیدہ مرد خدا نے فرمایا

تھا کہ واشرق الارض نظو و فطوبی لکم یا سعدی۔ لیکن نظر غائر دیکھا جائے تو جس طرح یہ مکاشفہ جامع اور معنی خیز مشرح اور مضبوط ہے اسی طرح یہ بشارت ایک ذات کے لئے مفید اور محدود بھی اس قدر ہے کہ دوسری ذات کے ساتھ تاویلا" بھی منسوب نہیں کر سکتے اور چونکہ میراں سید احمد علیہ الرحمتہ کی مقدس صفات ایک مالک کی ذات ہے اور جامع فضل و کمالات تھی لہٰذا آپ کا مکاشفہ بھی لطائف و معارف کا مجموعہ ہے۔ مصداق کلام الملوک ملوک الکلام۔ آخر میں میراں سید احمد علیہ الرحمتہ نے اپنی پیشین گوئی کو اس مضمون پر ختم فرمایا کہ وہ نور نظر ایسا وحید العصر اور جلیل القدر ہو گا کہ اس کے ہم عصر مقربین بارگاہ احدیت اس کی رفعت و عظمت کا اقرار کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ قبلہ عالم کے مراتب علیہا کا مشہور و معروف اہل حقائق و معارف نے اعتراف فرمایا۔ حضور کے دور کے ہر شیخ طریقت و معرفت نے اقرار کیا کہ حضرت قبلہ عالم کی ذات میدان فقر میں سلطان ہے۔ حضور قبلہ میاں حاجی فقیر اوگھٹ شاہ صاحب وارثی جن کا اب دیرینہ غلاموں اور قدیم فقراء میں شمار ہے کیونکہ آپ ۱۳۱۲ ہجری سے احرام پوش ہیں اور عرصہ دراز تک مستقل طور پر اس خدمت کے لئے مامور رہے کہ غلامان وارثی کے عرائض کا جواب نگارش کرتے تھے۔ سیاحت کے دور میں انبالہ جاتے ہوئے حضرت سائیں توکل شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سائیں صاحب قبلہ نے جن کا عارفین وقت میں شمار ہوتا تھا۔ شاید احرام سے پہچان لیا اور فرمایا "رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دا اور حاجی صاحب دا فیض ساڈے اپر اوندا ہے"۔ اور میرے ساتھ خاص شفقت فرمائی۔ اس طرح کے بے شمار واقعات سامنے آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ علمائے کرام فرنگی محل مولانا عبدالوہاب فرنگی محل مولانا عبدالغفار قدس سرہ فرنگی محل مولانا عبدالرؤف صاحب فرنگی محل یہ اس دور کے جید علمائے کرام تھے جو فقیروں اور درویشوں کے قائل نہیں تھے۔ مگر قبلہ عالم کی محفل میں جاتے اور سرکار عالم پناہ میں اپنی عافیت کی التجا کرتے اور اپنے خاندان و اولاد کو حضور قبلہ عالم کی خدمت میں لے جاتے۔ بیٹھنے کی ہدایت دیتے۔ اسی طرح شاہ احمد حسین ہانسوی ؒ و مولانا عبدالباری صاحب مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محل حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ حضرت میاں شیر محمد ؒ شاہ صاحب ؒ (پہلی بیعت والے)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے متعلق جناب سید غفور شاہ صاحب حسامی الوارثی نے انگریزی زبان میں ایک کتاب میں حضور انور کے حالات میں تالیف فرمائی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ "مولوی احمد حسن صاحب متوطن ملاواں ضلع بارہ بنکی کے بھائی کا واقعہ ہے کہ جب وہ حج کو جانے لگے تو حضور انور کی خدمت عالی میں اجازت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضور انور نے ان سے ارشاد فرمایا "میرا سلام حاجی امداد اللہ صاحب سے کہنا وہ ایک وقت میرے ساتھ تھے۔ اب مکہ معظمہ میں رہتے ہیں"۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ کا سلام پہنچایا تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب پر ایک خاص اثر ہوا اور ان کے آنسو نکل پڑے۔ جواب میں فرمایا۔ میری جانب سے ہندوستان کے آفتاب سے درخواست کرنا کہ بہبودی کی دعا کریں۔ کیونکہ میرا وقت آگیا ہے۔ جب میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پیغام پہنچایا تو حضور انور نے فرمایا حاجی امداد اللہ صاحب خود ولی کامل ہیں' ان کو دعا کی کیا حاجت ہے۔ حضرت مولانا شاہ

سلیمان صاحب قادری چشتی پھلواروی راقم الحروف کو تحریر فرماتے ہیں کہ مجھ سے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے فرمایا تھا کہ حاجی سید وارث علی شاہ صاحب سا موحد پھر دیکھنے میں نہیں آیا اور دنیا کو ایسا موحد دوبارہ میسر نہیں آئے گا۔

یہ تو علمائے دین اور مشائخ عظام کا حال تھا کہ سب ہی آپ کی ذات کو تسلیم کرتے اور اپنی اپنی محبت عقیدت کے دم بھرتے تھے۔ اس کے علاوہ دنیا کا ہر مذہب آپ کی ذات پر نثار تھا۔ جو ایک دفعہ سامنے آیا' بغیر عطا کے واپس نہیں گیا۔ چند واقعات تحریر ہیں۔

ہم نے اکثر ہندوؤں کو دیکھا ہے کہ وہ سرکار قبلہ عالم کی عقیدت و محبت کے بعد اسلام اور طریق اسلام کے شیدائی بن گئے اور درپردہ مسلمان تھے۔ بعض درود شریف اور آیات قرآنی نہایت ذوق شوق سے پڑھتے تھے اور اپنا کیف حاصل کر لیتے تھے۔ اکثر ہندوؤں نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں جن میں ٹھاکر پنچم سنگھ بابو کاشی پرشاد الہ آبادی منشی تلک نرائن صاحب مظفرپوری راجہ سروپ سنگھ تعلقہ دار سابق سورت گنج اودھ بابو موتی لال وکیل بھاگل پوری منشی لکھی نرائن' ٹھاکر بش سنگھ رمیش راے پور پنڈت شیام لال رئیس گیا جن کا دوسرا نام فضیحت شاہ تھا۔ بابو کنہیا لال وکیل بیس سال تک روزے رکھتے رہے اور صائم الدہر رہے اور توحید و رسالت کا اقرار کیا۔ یہ جوش محبت آخر رنگ لایا اور اسی طرح مندرجہ بالا نام اس آفتاب ولایت کے حسن و جمال بے مثال سے مغلوب ہو کر دین سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اتنے عبادت گزار ثابت ہوئے جس کی مثال ہمارے پاس نہیں۔ حضور میاں قبلہ

حاجی فقیر اوگھٹ شاہ صاحب وارثی بابو کہنیا لال کو ایک خط تحریر فرماتے ہیں۔ جو انہوں نے حضور کی خدمت میں ۱۱ نومبر ۱۹۰۴ء کو لکھا تھا۔ لکھتے ہیں "جناب شاہ صاحب تسلیم آپ سے رخصت ہو کر میں گھر پہنچا۔ دل بے چین اور طبیعت پریشان ہے۔ وجہ دریافت نہ ہونے سے عقل حیران ہے۔ مہربانی فرما کر سرکار میں سلام عرض کریں اور میری جانب سے کہہ دیجئے کہ اب سلگنے کی طاقت نہیں ہے۔ ایسا کرم فرمائیے کہ آگ بھڑک اٹھے اور اس کے ضبط کی قدرت عطا فرمائیے۔ اور دیگر حضار کی خدمت میں علی قدر مراتب تسلیم۔ کہنیا لال وارثی"

اس خط سے سوز و گداز کا خاص ثبوت ملتا ہے کہ وہاں کوئی بھی اہل مذہب خالی ہاتھ نہیں گیا۔ نسل آدم سے کوئی آدمی خواہ کسی مذہب کا ہو۔ اگر قسمت اسے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں لے گئی تو وہ بامراد واپس لوٹا۔ نامراد نہیں آیا۔ اس کی جھولیاں بھر کے واپس روانہ کرنا سرکار عالم پناہ کی فطرت میں شمار تھا۔ دنیا مانگنے والوں کو دنیا، محبت مانگنے والوں کو محبت، دینی عمل و فکر مانگنے والوں کو تصوف و معرفت عطا کی۔

روز اول کی عطا جو کارساز نے اپنے محبوب پاک سید و سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال صدقہ نسل آدم کے فرمائی اس کی تصدیق سرکار عالم پناہ کے وجود مقدس سے نمایاں اس کائنات میں سامنے آئی جس کے ثبوت بے شمار ہیں۔ رسم دستگیری اس خاندان کا روز اول سے شیوہ ہے۔ لہٰذا حضور قبلہ عالم نے دنیا کے ہر مذہب کی عبادت گاہوں میں ہر مذہب کو نمایاں زیارت بخش کر دستگیری فرمائی۔

جس کا ثبوت تاریخ میں موجود ہے۔ صاحب "عین الیقین" تحریر فرماتے ہیں کہ ایک راجپوت کنچن سنگھ نامی جگت ناتھ جی تیرتھ کو گیا وہاں اس نے جا کر مندر میں دیکھا کہ بت کی جگہ حضور انور جلوہ افروز ہیں۔ حیران و پریشان ہوا۔ اپنے سب ساتھیوں سے دریافت کیا جس کی تصدیق سب نے کی۔ کنچن سنگھ نے سب کو مشاہدہ کرایا۔ جب واپسی ہوئی تو دیویٰ شریف خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا "ٹھاکر جی ہم نہ ہوں گے کوئی اور ہو گا"۔ کنچن سنگھ نے کہا "شہنشاہا! میں نے ہی نہیں دیکھا اور ساتھی بھی گواہ ہیں۔ اگر کہیں تو بلا لیتا ہوں"۔ آپ حضور نے مسکرا کر فرمایا "ٹھاکر جی! اب جگت ناتھ جی نہ جانا"۔ ٹھاکر فوراً مسلمان ہوا اور حضور انور کے دست اقدس پر بیعت ہو کر فیض یاب ہوا۔

ہمارے رہنمائے حقیقت طریقت مرشد برحق سیدنا و مولانا سرکار عالم پناہ وارث پاک اس البیلی شان اور انوکھے انداز سے اس عالم میں نمودار ہوئے کہ جس کی حقیقت سے خبردار ہونا ادراک انسانی سے بالاتر ہے۔ ہر مذہب و ملت ان کی شمع جمال کے پروانے تھے۔ اولاد آدم سے دنیا میں آنے سے قبل بھی فائدہ اٹھایا۔ دستگیری حاصل کی۔ دنیا میں آنے کے بعد کوئی آنے والا یا جس نے جس جگہ یاد کیا اپنے حصے سے محروم نہ رہا۔ بعد از وصال بھی آج تک وہی دستگیری قائم و دائم ہے۔ ہر عقیدت مند اپنے مرشد پاک کی تعریف کرتا ہے۔ یہ فطری تقاضہ ہے مگر سیدنا و مرشدنا سرکار عالم پناہ کی تعریف کائنات کی ہر چیز کرتی ہے۔ انسان تو انسان ہے۔ چرند، پرند، نباتات، حشرات الارض، حیوانات تک جو تائب ہو کر تسلیم کرتے ہیں اور اپنی اپنی زبان میں تعریف بھی کرتے ہیں۔

عقیدت اور پیر مریدی کا کائنات میں ایک نیا شعور سرکار عالم پناہ کی
ذات اقدس نے عطا فرمایا۔ جس کی بنیاد فقط اور فقط عشق و محبت پر ثابت کی اور
تاریخ تصوف میں ایک باب کا اضافہ فرما کر پہلے اور دور جدید کے مشائخ عظام
اور بعد میں آنے والے پیران عظام کے لئے صراط مستقیم آسان اور خوبصورت
انداز عطا فرمایا۔ جو حضور سے پہلے تصوف کی تاریخ میں نہیں تھا۔ اول سے
لے کر آخر تک خلافت جبہ کی شکل میں یا کلاہ کے انداز میں مشائخ نے اپنے
قریبی عقیدت مندوں کو پہنا کر خلافت دے کر اپنے اور سلاسل کو طریقت کے
میدان میں جاری رکھا جو اب تک چلتا رہا ہے۔ ہمارے حضور قبلہ عالم نے کلاہ
و جبہ خلافت کو دوکاندار کے ہاتھ فروخت کر کے فیصلہ دے دیا کہ یہ خلافتیں جو
ظاہر و باطن اور پیر ابن پیر پیدا کرتی ہیں۔ انہیں مسلک عشق سے دور کا تعلق
بھی نہیں تھا اور اپنا لباس اتار کر حرم کعبہ کا مخصوص لباس احرام زیب وجود
اقدس دوران حج اختیار فرمایا۔ احرام کے احترام کو زندگی بھر ثابت فرما دیا کہ میں
روز اول سے ہی اس مقدس لباس کا حق دار ہوں اور میرے دست قدرت کو
عطا ہے کہ اس لباس میں کائنات کی دستگیری کروں جس کا حق واقعی کائنات میں
عشق و محبت سے ادا ہوا اور ہو رہا ہے۔ جسے حضور نے اپنے وجود اقدس کا یہ
لباس احرام خود اپنے ہاتھ سے عطا فرمایا۔ اس کی کیفیت میں انقلاب برپا فرما
دیا۔ وہ دنیا کے کسی دوسرے کام کے لائق نہ رہا۔ انداز دستگیری کچھ ایسے کی کہ
ایک نظر سے تعلیم فرما دی اور مجاہدات سے گزار کر اپنے اپنے دور کی باعث
رحمت قرار دیا۔ جو بابا فیضو شاہ صاحب قبلہ وارثی حضرت محبت شاہ صاحب
وارثی پنجابی حضرت قبلہ میاں حاجی اوگھٹ شاہ صاحب وارثی حضرت بیدم شاہ

صاحب وارثی حضرت فقیر اکمل شاہ صاحب وارثی و الحاج فقیر حیرت شاہ صاحب
وارثی و حضرت فقیر انوار شاہ صاحب وارثی کے روپ میں سامنے آیا اور اپنے
اپنے دور میں ان فقرا نے سرکار عالم پناہ مرشد برحق کی وضع کو عین شہنشاہ عشق
و محبت سلطان معرفت کی طرح ثابت کر دکھایا۔ وارثی سلسلہ کو محسوس نہیں
ہونے دیا کہ سرکار عالم پناہ وارث" کائنات سے پردہ فرما گئے یا موجود ہیں۔ ان
کے روپ نے ہمیشہ سرکار عالم پناہ" کا مشاہدہ اہل محبت کو دیا۔ جس کی مثالیں اتنی
زیادہ ہیں کہ میں بیان کرنے سے عاجز ہوں۔ میرا ابتدائی زمانہ یا پیدائش سمجھ
لیں۔ وارثی فقرا کی گود میں ہوئی۔ حضرت قبلہ فقیر محبت شاہ صاحب وارثی پنجابی
سنگھوئی میں ہمارے گھر میں رہتے تھے۔ میرا بچپن آپ کی خدمت میں گزرا۔
میں نے ہوش سنبھالا تو زرد احرام میں ملبوس فقیر کو دیکھا جو ہر روز صبح سے شام
تک ضعیف، جوان اور بچوں کو عطا ہی عطا فرماتے اور محبت ہی کا درس دیتے۔
جس میں کسی حرص اور خواہشات کا نام و نشان تک نہ تھا۔ یہی حال میرے گھر
کے بزرگ جو رشتہ میں میرے تایا اور باپ بھی تھا جن کے حضور میرے والد
صاحب قبلہ اور میری والدہ محترمہ نے پیدائش کے بعد پیش کیا اور نام رکھایا کہ
یہ آپ کا ہے۔ آپ ہی اس کا نام رکھیں تو حضرت قبلہ فقیر اکمل شاہ صاحب
وارثی نے میرا نام عزیز احمد تجویز فرمایا کیونکہ حضرت کا ایک لڑکا تھا جس کا نام
رشید احمد تھا۔ اس کے نام سے میرا نام رشید احمد رکھا۔ میرے والد صاحب
قبلہ نے فرمایا کہ اب میرے دو لڑکے آپ کے دو لڑکے میرے بڑے بھائیوں
کے نام محمد حسین اور زاہد حسین تھے۔ حضرت اکمل شاہ صاحب وارثی کے فرزند
ارجمند کا نام رشید تھا۔ میرا نام عزیز احمد رکھ کر اپنی اولاد قرار دیا لہٰذا میں دو

وارثی فقراء حضرت فقیر محبت شاہ وارثی پنجابی اور حضرت فقیر اکمل شاہ صاحب وارثی کے زیر نظر فیض اثر تعلیم حاصل کرتا رہا۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت محبت شاہ صاحب وارثی کے وصال تو مراد آباد سوارہ شریف میں ہو گیا۔ میں اس دور میں ضلع راولپنڈی ساگری ہائی سکول میں زیر تعلیم تھا کہ طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ علجان پیدا ہوا۔ سکول چھوڑ کر بھاگا اور دہلی شریف' سہارن پور' کلیر شریف سے ہوتا ہوا اجمیر شریف حضور غریب نواز کی حاضری میں پہنچا۔ اس وقت خواجہ سید حسن امام صاحب قبلہ چشتی وہاں موجود تھے۔ قدرتی اتفاق کہ انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کہاں رہو گے۔ میں نے عرض کیا یہیں رہوں گا۔ لہٰذا مجھے ایک حجرہ دے دیا اور فرمایا درگاہ شریف کی صفائی کیا کرو۔ میں گیارہ ماہ ۲۲ دن تک درگاہ شریف کی جاروب کشی کرتا رہا۔ لنگر ملتا تھا۔ رہنے کی جگہ موجود تھی۔ بے شمار لوگوں سے ملاقات کا سلسلہ رہا۔ ابوالحسن شاہ صاحب قبلہ وارثی محمود صاحب وارثی' بیدم شاہ صاحب وارثی قبلہ پنڈت الف شاہ صاحب وارثی' پنڈت دیندار شاہ صاحب وارثی کی ملاقات اجمیر شریف میں ہی ہوتی رہی اور میں حضرت اکمل شاہ صاحب وارثی کا پوچھتا رہا۔ گیارہ ماہ ۲۲ دن کے بعد خواجہ صاحب نے صبح صبح اجازت اچانک دے دی کہ آپ کی ڈیوٹی ختم ہو گئی۔ آپ کو جانے کی اجازت ہے اور دیوا شریف چلے جائیں۔ کاغذ پر نقشہ بنا کر دیا کہ لکھنؤ جا کر وہاں سے بارہ بنکی پھر دیوا شریف۔ لہٰذا میں حاضر ہوا تو حضرت فقیر اکمل شاہ صاحب آستانہ عالیہ پر موجود تھے۔ وقت گھڑیال بتا رہے تھے۔ میں سامنے ہوا تو حیران ہو کر دریافت فرمایا "او تم کیسے یہاں آ گئے۔ گھر کے لوگ سال بھر سے پریشان ہیں۔ کہاں رہے ہو"۔ سامنے آستانہ شریف پہ

حضور قبلہ و کعبہ فقیر میاں اوگھٹ شاہ صاحب وارثی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے بلند آواز سے پوچھا "حافظ جی کون ہے"۔ آپ نے فرمایا "حضور! یہ صوبیدار صاحب کا لڑکا ہے۔ ایک سال سے گم تھا۔ اب یہاں آگیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "بلانے والے نے بلا لیا۔ اسے میرے پاس بٹھا دو۔ چھوڑو اسے کچھ نہ کہو"۔ مجھے پاس بٹھایا۔ شفقت فرمائی۔ للن حجام کو بلا کر کہا کہ اسے ساتھ لے جاؤ۔ کپڑے بدلی کرو اور گیسو تراشی کر کے غسل کرائیں اور پھر لے کر آؤ۔ لہٰذا للن ارشاد بجا لایا اور پھر اپنے ساتھ لے کر آیا۔ میں نے حضرت کے حجرہ میں رات گزاری۔ صبح حضور اکمل شاہ صاحب بازار سے تبرک لائے اور حضور میاں صاحب قبلہ کے سامنے رکھا کہ اب یہ آگیا ہے۔ اسے سرکار عالم پناہؒ کے حضور پیش کر دیں۔ غلامی میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا صبح صبح حضور قبلہ میاں اوگھٹ شاہ وارثیؒ نے مجھے غلامی کے لئے سرکار عالم پناہ کے حضور پیش فرمایا۔ آج تک تعلیم کا پہلا مرحلہ جس کی ابتدا حضور قبلہ و کعبہ میاں اوگھٹ شاہ صاحب وارثی نے فرمائی۔ ابھی تک یاد ہے اور میرے لئے راہ ہدایت اور سرمایہ حیات داخل سلسلہ وارثیہ کے بعد فرمایا۔ یاد رکھنا یہ تمہارے پیر ہیں تم ان کے مرید ہو۔ ہم تم بھائی ہیں۔ کوئی بات پوچھنا ہو مجھ سے دریافت کر لینا۔ ان سے کچھ نہیں طلب کرنا۔ جو دیں وہ لے لینا۔ ازبس یاد رکھو۔ میرے بچپن کا زمانہ' مطالعہ سے نابلند' دن رات سوچتا رہا کہ پیر اچھا پکڑا کہ اس سے مانگو کچھ نہ۔ عجیب سا معاملہ ہے۔ ایک احرام پوش ضعیف العمر مجھے اپنا بھائی کہتا ہے۔ میری سمجھ سے باہر تھا اور میں رات بھر سوچتا رہا۔ صبح ناشتہ کا دستر خوان بچھا۔ بلایا گیا۔ دستر خوان پر ہی حضور میاں صاحب قبلہ نے فرمانا شروع کر دیا۔ کہ آج

کل لوگ ابتدا میں اگر سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ پیر اچھا پکڑا کہ مانگو کچھ نہ۔
جو دیں وہ لو۔ مگر یہ نہیں سوچ سکتے کہ جو مانگ کر لو گے اس کے خود ذمہ دار ہو
گا۔ جو وہ خود دیں گے اس کے وہ ذمہ دار ہوں گے۔ عشق و محبت میں پیری
مریدی نہیں۔ وہی سب کے مالک ہیں۔ ہم سب ایک دوسرے کے بھائی بھائی
ہیں۔ باپ کی موجودگی میں کوئی خود مختار نہیں ہوتا۔ قدرت نے ہمیں دولت
محبت عطا فرما کر حیات و موت کی کشمکش سے آزاد کرنے والا ہمیں وہ زندگی عطا
فرمانے والا جسے زوال نہ ہو جو کائنات میں سب سے زیادہ لطیف اور پر سرور
ہے۔ جو اسے یاد رکھے وہ کامیاب جو اس سے دور رہا وہ ناقص۔ لہٰذا ایک عرصے
کے بعد تعلیم کی سمجھ آئی اور شکر ادا کیا کہ خاک ٹھکانے لگی۔ ورنہ بیکسی اپنا
مقدر ہوتا۔ یہ نظر کرم کا فیض ہے کہ اب تک ان کے سہارے جی رہے ہیں۔
میں نے کافی سے زیادہ لکھ دیا۔ وہ کچھ لکھ دیا جو میرے بس میں بھی نہ تھا۔ اس
لئے کہ سلسلہ وارثیہ موجودہ دور میں احرام کا احترام چھوڑ رہا ہے۔ جہاں دیکھو
کوئی زرد رنگ کی چادر کندھوں پر ڈالے بیٹھا ہے۔ کوئی اپنی مرضی سے احرام
پہنے بیٹھا ہے۔ کوئی احرام پہن کر گھر گھر پھر رہا ہے۔ پیری مریدی کو فروغ دے
رہا ہے۔ وارثی حضرات کے گھروں میں واقفیت پیدا کر کے ہر دو تین ماہ کے بعد
وہاں جانا ایک طریقہ بنا لیا ہے۔ ہر کس و ناکس کو احرام دینا۔ حالانکہ خود وہ احرام
پوش نہیں ہوتا نہ اسے کسی احرام پوش سے احرام عطا ہوتا ہے۔ نہ تعلیم و
تربیت ہوتی ہے اور نہ اجازت بیعت۔ مگر ذریعہ روزگار کے لئے اس نے لوگوں
کو احرام دے رکھے ہیں۔ مجاہدہ نام کی چیز سے نابلد' نہ عبادت و ریاضت کی
تعلیم۔ لہٰذا وہ احرام پوش سلسلہ عالیہ کی بدنامی کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ جن

کے لئے میں سرکار عالم پناہ کے چند ارشادات تحریر کروں گا۔ تاکہ سلسلہ عالیہ
وارثیہ کا میں حق ادا کروں۔ سرکار عالم پناہ کا فرمان ہے۔ فرمایا "عشق میں ترک
ہی ترک ہے۔ ترک دنیا۔ ترک عقبیٰ۔ ترک مولیٰ ترک ترک اور اپنا آپ
فراق ہے۔ فرمایا منزل عشق میں ذات صفات ہو جاتی ہے اور صفات ذات۔ فرمایا
محبت میں کفر و اسلام سے غرض نہیں۔ اس میں شریعت کو کچھ دخل نہیں۔ اہل
تصوف کے بعض الفاظ بادی النظر میں اہل ظواہر کو کراہیت معلوم ہوتے ہیں مگر
حقیقتاً" وہ ایسے نہیں ہوتے۔ ان کی اصطلاحیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ ارباب ظاہر
ان الفاظ کے ظاہری معنی لیتے ہیں اور انہیں معنوں پر حکم لگا دیتے ہیں اور
مشاغل کے منکر ہو کر اس کو کافر و منکر زندیق قرار دیتے ہیں۔ کاش کوئی عشق و
محبت کے سوز و گداز میں مبتلا ہو کر اپنے احساس کی ترجمانی کر سکے۔ فرمایا عاشق
وہ ہے جو اپنی ہستی سے گزر جائے۔ مردہ ہو جائے۔ خود کو زندوں میں شمار نہ
کرے۔ فرمایا عشق میں امیدیں اور خواہشیں سب مٹ جاتی ہیں۔ کوئی بات
کسی غرض پر مبنی نہیں ہوتی۔ چنانچہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ عاشق کا دین و دنیا
دونوں خراب۔ فرمایا عشق وہی ہے جو کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ عشق میں
انتظام نہیں۔ عاشق وہ ہے جس کی ایک سانس بھی یاد مطلوب سے خالی نہ ہو۔
محبت میں ادب و بے ادبی کا فرق نہیں ہے۔ عاشق کو خدا معشوقوں کی صورت
میں ملتا ہے۔ محبت وہ چیز ہے جس کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ محبت ہے تو ہم
ہزار کوس پر تمہارے ساتھ ہیں۔ محبت میں بے ادبی عین ادب ہے۔ محبت عین
ایمان ہے۔ فقیر کم مشائخ زیادہ ہوتے ہیں۔ چونکہ منزل عشق میں خلافت نہیں
ہوتی۔ فرمایا عاشق کے مرید پیرو کار کا انجام خراب نہیں ہوتا۔ فرمایا

اگر عاشق کی زبان سے کوئی بات غلط نکل جائے تو اس کو بھی خدا درست کر دیتا ہے۔ فرمایا عاشق کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ اس پر نہ سانپ کا زہر اثر کر سکتا ہے۔ نہ شیر کھا سکتا ہے۔ فرمایا محبت کرو۔ کسب سے کچھ نہیں ہوتا"۔ حضور قبلہ عالم نے یہ تو محبت عشق کی تعریف میں ہدایات فرمائی ہیں۔

جس طریقہ سے حضور قبلہ عالم نے عالم انسانی کو تعلیم فرمائی ہے۔ یہ واحد حضور سرکار عالم پناہ کا ہی حصہ ہے۔ نہ یہ تعلیم پہلے تھے نہ بعد میں ہو گی۔ فقراء کو اپنا استعمال شدہ احرام عطا فرما کر نام بدل کر خطاب "شاہ" سے نواز کر فیض سے بھرپور فرما کر مخصوص تعلیم سے نوازا اور اپنے در کے فقیر کو رضا و تسلیم کی پر خطر راہ سے ذرا برابر بھی ہٹنے نہیں دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ سرکار عالم پناہ کے ہر فقیر احرام پوش کی زندگی اپنے دور میں وحدت و توحید کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ ہر احرام پوش ایک مخصوص انداز رکھتا تھا۔ جو دوسرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے لئے خاص فرمان تھے۔ جیسے کہ ہم تمہیں فقیر بنا رہے ہیں۔ کہیں امیر نہ بن جانا۔ فقیر وہ ہوتا ہے جو خدا سے بھی نہ مانگے۔ فقیر وہ ہے جس کا ایک سانس بھی یاد مطلوب سے خالی نہ جائے۔ فرمایا بڑی فقیری یہ ہے کہ ہاتھ ہرگز نہ پھیلے۔ لا طمع ہو کر رہے اور تسلیم و رضا پر قائم رہے۔ فقیر کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ فقیر کو سوال حرام ہے۔ مرید ہو تو ایسا کہ پیر کے سینے پر سوار ہو کر اپنا حصہ حاصل کرے۔ پیروں کو رسمی مرید بہت ملتے ہیں جو پیروں کا ذریعہ نفس بن جاتے ہیں مگر مراد قسمت سے ہاتھ آتا ہے۔ جیسے حضرت خواجہ بوسعیدؒ کو حضور غوث پاکؒ خواجہ عثمان ہارونیؒ کو خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ اور انہیں

امیر خسروؒ و حضرت علاؤ الدین صابرؒ اور ان کو حضرت شمس الدین ترک پانی پتی۔ فرمایا جب کچھ نہ رہے گا تو فقیر ہو گا۔ فقیری ایک کے ہو کر ایک میں گم ہو جانے کا نام ہے۔ یہ تو ترتیب سرکار عالم پناہ شہنشاہ طریقت کی ہے۔ جو چلتے چلتے اب پاکستان میں رسم بن کر رہ گئی ہے۔ جسے دیکھو احرام باندھے ہوئے پیر بن کر وارثیوں کے گھر گھر پھرتا ہے۔ ایک دن میں احرام پہن کر دوسرے دن لوگوں کو اپنی ذاتی بیعت میں داخل کر کے انہیں اپنا ذاتی مرید بنا کر اپنی ذاتی آمدن کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ اسی سے سرکار عالم پناہؒ نے بارہا روکا ہے۔ اسے غلط قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اہل محبت و عشق کا یہ شیوہ نہیں۔ جہاں ہم سرکار عالم پناہ کی وضع داری کی پابندی کرتے ہیں۔ وہاں اس کا احساس نہیں کہ حضور قبلہ عالم نے زر کو اپنا ہاتھ نہیں لگایا۔ حضور قبلہ میاں حاجی فقیر اوگھٹ شاہ صاحب وارثی فرماتے تھے کہ جب ہم نے سرکار عالم سے دریافت کیا کہ آپ زر کو ہاتھ نہیں لگاتے اور ساری دنیا کا سفر فرما لیا۔ کچھ عجیب سا محسوس ہوتا ہے۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا وہ ہاتھ جو دست ید اللہ کہلاتا ہے' وہی ہاتھ کن کی تخلیق میں مستعمال کیا جائے۔ وہ جب غیر از خواہشات میں استعمال ہو گا تو دست ید اللہ نہیں کہلائے گا۔ میرے جد امجد میرے ہاتھ کو دست ید اللہ قرار دے چکے ہیں۔ یہ اعزاز مجھے روز ازل سے ملا ہے۔

لہٰذا میرا ہاتھ خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کا طلبگار نہیں ہو سکتا۔ مجھے دست ید اللہ کی حفاظت کرنے کے لئے ہر حربہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اسی کی تعلیم حضور قبلہ عالم اپنے فقیر احرام پوش کو جسے اپنے وجود اقدس کا لباس عطا فرماتے اور تاکیداً" فرماتے کہ اپنا دست طلب کسی اور کے سامنے کیا خدا کے سامنے

بھی دراز نہ کرنا۔ ورنہ دست گیری کے قابل نہیں رہو گے۔ مگر اب بھولا پن نظر آ رہا ہے۔ سرکار عالم پناہ خود ہی ہمارے حال پر کرم فرمائیں۔

ہم نے حضرت فقیر محبت شاہ صاحب وارثی پنجابیؒ کو دیکھا جو توکل و رضا و تسلیم میں اپنا جواب آپ تھے۔ کسی چیز کی پرواہ نہیں۔ نہ سرکار عالم پناہؒ کی یاد کے بغیر اور کوئی سرمایہ تھا۔ گھر گاؤں جب چھوڑا پھر اس طرف کا رخ نہیں فرمایا۔ یہی حال حضرت فقیر حاجی اکمل شاہ صاحب وارثی کا تھا کہ فقیر ہوئے۔ گھر کو خیر آباد فرمایا۔ پھر رخ نہیں کیا۔ جوان لڑکا اچانک فوت ہونے کی خبر ملی۔ فرمایا شکر ہے کہ اب ہم فقیر ہوتے جاتے ہیں۔ بغیر سرکار عالم پناہ کی محبت کے باقی اور کچھ نہ رہے۔ یہی عالم حضرت فقیر حیرت شاہ وارثیؒ کا دیکھا کہ آیا بہت کچھ دنیا جہان کا سامان آ رہا ہے۔ جو سارے دن میں تقسیم فرما کر رات کو بے فکر ہو کر آرام فرما رہے ہیں۔ نہ صبح کی فکر اور نہ شام کے لئے طلب ہے۔ عرصہ دراز حرمین شریفین کی حاضریاں ہوتی رہیں۔ مگر بے سروسامانی کا عالم ساتھ ساتھ رہا۔ حیران ہوتے تھے کہ نظام کس طرح چل رہا ہے۔ عرس بزرگاں بھی ٹھاٹھ سے کر رہے ہیں۔ غریب نادار غلاموں کو بھی نواز رہے ہیں اور زر نقد بھی کچھ نہیں مگر آتا ہے جا رہا ہے۔ یہی سادگی حضرت حاجی فقیر انوار شاہ صاحب وارثی کی دیکھی گئی کہ پاس کچھ نہیں مگر اطمینان حد سے زیادہ ہے۔ یہ مثالیں میں نے اس لئے دی ہیں کہ سلسلہ عالیہ اپنے اندر بے شمار مخفی اسرار رکھتا ہے۔ مگر اس کا استعمال غلط راستہ اختیار کر چکا ہے جس کی وجہ سے وہ کیف و سرور دن بدن کافور ہو رہا ہے۔ جس کے لئے ہمارے فقراء نے مجاہدے ریاضت کر کے حاصل کیا تھا۔ کئی کئی سال جنگلوں سیاحت ملک در ملک شب و

روز گزار کر حاصل کیا تھا۔ کئی کئی سال تک روزے رکھ کر سرکار عالم پناہؒ کے حکم کی تعمیل فرمائی تھی۔ مگر آج کل پہلے دن مرید ہوئے، دوسرے دن احرام پہنا اور لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ ہی احرام پہنانا شروع کر دیا۔ روپ بدل کر ذریعہ رزق بنا کر یہ پیشہ شروع کر دیا اور بال بچوں کی پرورش مریدان کی کمائی سے شروع کر دی۔ جو کمایا، بال بچہ کو کھلایا اور نام احرام کا بدنام کیا۔ حضور داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

التصوف ھو المریہ والحتوۃ و ترک التکلف والسخا۔ تصوف آزادی جوان مردی ترک تکلف اور سخاوت کا نام ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں التصوف الیوم الہ بلا حقیقتہ وقد کان من قبل حقیقتہ بلا اسم۔ آج تصوف بے حقیقت نام ہو کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ حقیقت ہی حقیقت تھی جس کا کوئی نام نہ تھا۔ ایک جگہ فرمان ہوتا ہے کہ گدڑی عوام کے لئے نعمت اور خواص کے لئے مصیبت کی زرہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام اکثر پریشان حال ہوتے ہیں۔ ان کا ہاتھ کہیں نہیں پہنچتا۔ نیز علاوہ حصول جاہ و دولت کے لئے ان کے پاس کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوتا جس سے وہ دنیا و دولت اکٹھی کر سکیں۔ دوسری طرف اگر خواص اس راہ کی طرف آئیں تو انہیں اپنی امارت و ریاست چھوڑنی پڑتی ہے اور عزت کی جگہ ذلت اختیار کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ خواص اس کے حق میں جو چیز مصیبت ہے۔ عوام کے حق میں وہی چیز نعمت ہے۔

فرماتے ہیں۔ آج کل ایسے لوگوں کی کثرت ہے۔ بس مناسب ہے کہ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا اس کا ارادہ بھی نہ کرو۔ اگر تم ہزار سال بھی طریقت قبول کر لینے کے بارے میں کہتے ہو تو یہ اس لمحے کی مثال نہیں بن سکتی جس

میں طریقت خود تمہیں قبول کرے۔ یہ صرف خرقہ پوشی احرام پوشی کا کام
نہیں۔ یہ تو آتش عشق میں جلنے کا نام ہے۔ جو شخص طریقت سے آشنا ہوتا
ہے۔ اس کی امیرانہ قبا بھی درویشی کی عبا ہے اور جو شخص اس راہ سے بیگانہ
ہے۔ اس کا خرقہ احرام اس کے لئے نحوست اور قیامت کے دن باعث
شقاوت ہوگی۔ چنانچہ ایک بزرگ سے لوگوں نے کہا آپ خرقہ فقر کیوں نہیں
پہنتے۔ آپ نے فرمایا جو ان مردوں کا لباس پہننا اور اس کی ذمہ داریں پوری نہ
کرنا منافقت ہے۔ اس کا روز حساب خطرناک ہے۔ اگر یہ لباس کوئی اس لئے
پہنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے خاص بندوں میں شمار ہو تو وہ لباس کے
بغیر بھی اپنے بندوں کو جانتا ہے۔ اگر اس لباس کا مقصد یہ ہے کہ مخلوق اسے
ولی اللہ سمجھے۔ اس صورت میں اگر وہ واقعی ولی اللہ ہے تو یہ ریا ہے اور اگر وہ
فی الحقیقت ولی اللہ نہیں تو یہ منافقت ہے۔ یہ راستہ انتہائی دشوار اور پر خطر
ہے۔ اہل حق اس سے بلند و بالا ہیں کہ ان کی معرفت اور شناخت کسی قسم کے
کپڑوں سے کی جائے۔

سرکار قبلہ عالم وارث ارث علیؒ ایک مقام پہ فرماتے ہیں جسے بزرگ
محترم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بیان فرماتے ہیں کہ فقیری میں لباس کا کوئی مقام
نہیں۔ عطائے خرقہ و خلافت یا لباس فقر دستور خداوندی ہے۔ جس کی ابتدا
حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ فقط آدم کو لباس خلافت عطا فرما کر اشرف
المخلوقات قرار دینا احترام، نور مجسم شہنشاہ دو جہاں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم ہے ورنہ تمام کائنات کی مخلوق بغیر آدم کے لباس سے خالی ہے۔ ثابت
ہوتا ہے کہ آدم کا لباس اس کا احترام ہے۔ کافی سے زیادہ وضاحت لکھ کر

وضاحت کی ہے۔ حضور سرکار عالم پناہ وارث پاک اور بزرگان دین کی تعریف
لکھنے کے قابل ہم نہیں ہیں، نہ ہی ان کی تعریف ختم ہو سکتی ہے۔

بہرحال عزیز و محترم جناب میاں اللہ عطا اللہ صاحب ساگر وارثی جو
حضرت الحاج فقیر حیرت شاہ وارثی کے دست گرفتہ ہو کر وارثی ہیں۔ اور سوز و
گداز کی سانسوں سے اپنی زندگی دنیا دار ہوتے ہوئے کئی مشکلوں مصیبتوں میں
مبتلا رہتے ہوئے گزار رہے ہیں۔ واقعی سوز و گداز ہی یادیار کی نشانی جس کے
لئے التجا ہے کہ سرکار عالم نواز میاں عطا اللہ ساگر وارثی کو ہمیشہ ہی اپنے کرم،
فضل اور رحمت سے نوازیں۔ سلسلہ عالیہ کے لئے شب و روز اپنے آپ کو
وقف کئے ہوئے ہیں۔ علمی ذوق جو سرکار عالم پناہ نے عطا فرمایا۔ اس سے کام
لیتے ہوئے ہمیشہ کئے ہوئے ہیں۔ علمی ذوقی جو سرکار عالم پناہ نے عطا فرمایا۔ اس
سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ تصوف کا تاریخی پس منظر پیش کرتے رہتے ہیں۔
آج کل حضرت فقیر محبت شاہ صاحب وارثی پنجابی اور حضرت اکمل شاہ صاحب
وارثیؒ کے حالات پر مطالعہ کر رہے ہیں اور اس مطالعہ کی ابتداء کے لئے مجھے
لکھنے کے لئے پیش لفظ کا حصہ دیا۔ گو میں اس قابل تو نہیں مگر ایک عزیز محسن
جو میرے بہت قریب میرے سانسوں سے واسطہ ہے۔ اسے ٹال نہیں سکتا۔
لہٰذا جس قدر لکھ سکتا تھا لکھا۔ اگر کوئی تحریری غلطی یا کہیں گستاخی میرے قلم
سے سرزد ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔ آخر میں میری دعا ہے کہ میرے عزیز و
محترم میاں عطا اللہ ساگر وارثی پہ سرکار عالم پناہ اپنا کرم روز محشر تک فرماتے
رہیں۔ ہر مشکل ہر مصیبت میں حضور دستگیری فرمائیں۔ قبلہ عالم کا کرم ہمیشہ ان
کی اولاد پر ان کے خاندان پر قائم و دائم رہے۔ تاکہ سدا یہ اپنے ذوق و شوق

سے سلسلہ عالیہ اور تصوف کی خدمت کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

گدائے وارث ارث علیؒ

فقیر عزت شاہ وارثی

تعارف مولانا علم الدین چشتی سیالوی علیہ الرحمۃ

حضرت مولانا علم الدین چشتی نظامی خاندانی اعتبار سے قطب شاہی اعوان تھے اور یہ خاندان اپنے عہد میں علمی ادبی اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ مقام رکھتا تھا اور باطنی علوم کو حاصل کرنے کے لئے حضرت خواجہ نور محمد مہاروی چشتی نظامی علیہ الرحمتہ سے لے کر خواجہ شمس الدینؒ سیالوی چشتیؒ تک منبع کرم سے فیض یاب ہوتا رہا۔ حضرت مولانا علم الدین چشتی نظامی کی ابتدائی تعلیم سیال شریف میں ہوئی۔ اس کے بعد اپنے بزرگوں کی بہ رضا و رغبت سے مزید دینی و دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے دہلی میں مدرسہ نظامیہ میں داخلہ لے لیا اور پانچ سال تک زیر تعلیم رہے۔ اسی دوران میں آپ کی ملاقات قبلہ میاں محبت شاہ وارثیؒ سے دہلی میں ہوئی اور ایک دوسرے سے متعارف ہوئے۔ ویسے بھی دونوں کا ایک ہی وطن اور ہم قوم تھے۔

اکثر قبلہ میاں محبت شاہ وارثیؒ سیاحی میں رہے اور اپنے ساتھ اکثر مولانا مذکور کو بھی ہم سفر رکھتے تھے۔ اس سفر میں بمبئی' کلکتہ اور دیگر مقامات پر بھی رفاقت رہی اور جہاں بھی گئے' بزرگان دین اور مشائخین دوراں سے مستفیض ہوتے رہے۔ مولانا مذکور کی دیوئ شریف ضلع بارہ بنکی (یو - پی بھارت) میں پہلی حاضری حضرت مخدوم وارث پاک علیہ الرحمتہ کی خدمت اقدس میں ۱۸۹۵ء بہ موقع میلہ کاتک میں ہوئی تھی اور بھرپور اکتساب فیض کیا اور دست عطا و بخشش سے نوازے گئے۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت مخدوم عالم پناہ علیہ الرحمتہ کی قدم بوسی میں علوم دینی' دنیوی اور منطق کے شکوک و شبہات

جو ذہن نشین رہتے تھے اور باعث پریشانی ہوتے تھے' سب دور ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا مذکور سے میاں محبت شاہ وارثیؒ "اکثر دائرہ ادب میں رہ کر مذاقاً" فرماتے تھے۔ آپؒ حضرت مخدوم وارث پاک علیہ الرحمتہ سے کوئی بھی بات نہیں کرتے۔ حضرت مولانا فرمانے لگے "میری تو ہمت نہیں پڑتی کہ آپ ایسے بزرگ اور منبع جود و سخا کے سامنے منہ کھولوں اور بے ادبی کا موجب بنے اور اس حسن و جمال کے پیکر کی تعریف بھی کر سکوں۔ حضرت مخدوم داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں' آسمان سے باران رحمت فقرا کے قدوم پاک کی برکت سے ہوتی ہے اور میں مولانا روم کے ہمنوا ہو کر کہتا ہوں"۔۔

یاد او سرمایہ ایمان بود
ہر گدا از یاد او سلطان بود

حضرت مخدوم وارث پاک علیہ الرحمتہ کے ارشادات عالیہ میرے لوح قلب پر ایسے نقش ہو چکے ہیں جو روز محشر بھی رہبری و رہنمائی کرتے رہیں گے۔

فرمایا! "مذہب کی ابتداء صورت سے ہے' مذہب کی انتہا صورت پر ہو گی۔ جس نے صورت کو دیکھا ہے' اسی کو پیش نظر رکھنا۔ ہم سے ملاقات مستقل رہے۔ ہمارا اور آپ کے مخدوم مرشد پاکؒ کا طریق ایک سا ہے"۔

مولانا علم الدین چشتیؒ کی چشماں ہر وقت تر رہتی تھیں۔ سوز و گداز کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کے پیرو مرشد کے صاحبزادے خواجہ نظام الدین چشتی نے پوچھا کہ آپؒ کہاں کہاں گئے اور کس کس مقامات کی سیر کی۔ کہنے لگے جہاں جہاں مالک لے گیا' چلے گئے۔ فرمایا کیا دیکھا۔ آپؒ نے کہا "اسی

کو ہر جگہ پایا کوئی دوسرا نہ تھا"۔ مخدوم مرشد کے صاحبزادے نے خیال کیا کہ ان کی باتوں میں کیا حقیقت ہو سکتی ہے۔

صاحبزادہ کی زبانی

میں ایک دن عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد بستر پر لیٹا اور سو گیا۔ میں نے ایک خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ ایک تخت کے پائے پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں "نظام الدین! یہاں بیٹھو اور مشاہدہ کرو کہ تمام کائنات میں کیا ہو رہا ہے"۔ میں نے دیکھا کہ اس تخت پر سرکار پاک والی دو جہاں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی ذات اقدس براجمان ہے اور فرمان جاری کر رہے ہیں اور اس کے بعد یہ مشاہدہ کیا کہ ایک ہی صورت مشرق و مغرب کام کر رہی ہے۔۔ ۔ فقیر کی بات پر یقین کرو۔

خواجہ نظام الدین چشتی تونسویؒ کی زبانی

حضرت میاں محبت شاہ وارثیؒ پنجابی ۱۹۳۳ء میں برائے حاضری عرس پاک حضرت نظام الدین اولیا دہلی تشریف لے گئے تو پہلی دفعہ حافظ حاجی فقیر اکمل شاہ وارثیؒ سے ملاقات ہوئی۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ہم نوالہ ہم پیالہ ہو گئے ۔۔۔ ان دونوں فقیروں کی یکجائی کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے۔ ایک تصویر کے دو رخ ہیں۔ ایک طرف جمال دوسری طرف جلال ہے۔

حضرت مولانا علم الدین چشتی سیالویؒ کا تعلق فقیر محبت شاہ وارثیؒ سے بہت پرانا اور خاندانی تعلق بھی تھا۔ میاں محبت شاہ وارثی علیہ الرحمتہ کی ابتدائی ملاقاتیں حرمین شریفین میں بھی ہوتی رہیں ہیں۔ مکہ مکرمہ میں فقیر محبت شاہ

وارثیؒ کی ملاقات حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بھی ہوئی اور وہ فرمانے لگے کہ حضرت سید وارث علی شاہؒ کا ایک فقیر محبت شاہ وارثی پنجابی کو مکہ مکرمہ میں دیکھا جو اتنا پراسرار تھا جس کا سمجھنا مشکل ہے۔ اہل شہر مکہ کے کئی اشخاص نے محبت شاہ وارثیؒ کو ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر دیکھا۔

حضرت مولانا علم الدین چشتی سیالویؒ نے پیش نظر نسخہ محبوب الوارثین کے لئے حضرت قبلہ میاں محبت شاہ وارثی رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح عمری اپنے دست مبارک سے تحریر کر کے عطا فرمائی اور ان کا یہ احسان عظیم برادران وارثیوں پر بہت بڑا ہے۔ حضرت قبلہ میاں محبت شاہ وارثی علیہ الرحمتہ کی اس جامع اور مختصر سوانح عمری کو حاصل کرنے کے لئے قبلہ عزت شاہ وارثی مدظلہ نے مولانا علم الدین سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے بھی محبت بھرا دست تعاون و کرم بڑھایا اور اس بیش بہا قلمی نسخہ کو قبلہ قاضی حاجی عزت شاہ وارثی مدظلہ العالی کے حوالے کر کے بندہ پروری فرمائی۔ تاکہ سلسلہ عالیہ وارثیہ کے حق کے متلاشیاں کو میاں محبت شاہ وارثی فقیر رحمتہ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ سے روشناس ہو سکیں۔

علم الدین چشتی سیالوی
۲۷ اپریل ۱۹۶۴ء

مولانا علم الدین چشتی سیالویؒ کا وصال ۲۶ اپریل ۱۹۶۸ء کو بستی چشتیاں میں ہوا۔ آپؒ کا جنازہ سیال شریف میں حضرت خواجہ شمس الدین سرکار نے پڑھایا اور آستانہ پاک کے صحن میں سپرد خاک ہوئے۔

پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام

فتوحاتِ اسلامیہ کے مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہد میں مُہلّب بن ابی صفرۃ نے ۴۴ھ میں ہندوستان کی سرحد پر حملہ کیا اور وہ بنّہ اور لاہور تک پہنچا' جو ملتان اور کابل کے درمیان ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ ان مقامات سے بنوں اور لاہور مراد ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو عساکرِ اسلام سب سے پہلے خشکی کے راستے سے اس زمانے میں پنجاب پہنچے۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف نے خلیفہ ولید بن عبدالملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے زمانے میں اپنے نوجوان چچیرے بھائی محمدؒ بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ کو ایک مہم بھیجی۔ محمدؒ بن قاسم نواحی سیستان سے ملک سندھ میں داخل ہوا اور بھنوا اور مولستان یعنی بھمن آباد اور ملتان کو فتح کیا۔ البیرونی نے' جو پنجاب میں ایک عرصہ مقیم رہا' ہمیں یہ قیمتی اطلاع دی ہے کہ محمدؒ بن قاسم کی فتوحات کا سلسلہ سندھ کے بعد ایک طرف شہر قنوج تک پہنچا اور دوسری طرف اس نے سرزمین گندھارا کو روند ڈالا۔ واپسی میں محمدؒ بن قاسم نے حدود کشمیر کو بھی پے سپر کیا۔ پنجاب اور سندھ میں پہلی اسلامی حکومت اُس وقت قائم ہوئی۔ ان واقعات کے اعتبار سے پنجاب

میں اسلام کا ظہور تو پہلی صدی ہجری کے نصف اول واقعات کے اعتبار سے
پنجاب میں اسلام کا ظہور تو پہلی صدی ہجری کے نصف اول میں ہوا، مگر اسلام کو مزید تقویت پہلی صدی کے آخر میں حاصل ہوئی۔ بیرونی ہی نے ہمیں بتایا ہے کہ محمدؐ بن قاسم نے بعض مقامات کو جنگ سے اور بعض کو صلح سے لیا۔ لیکن اہل سندھ و ہند کو اپنے مذہب پر قائم رہنے دیا۔ سوا ان لوگوں کے، جنہوں نے خود اسلام قبول کرنا چاہا۔

محمد بن قاسم نے ملتان میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی۔ پہلی صدی ہجری کے آخر یعنی ۹۹ ھ میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوئے تو انہوں نے ملوکِ سندھ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان ملوک نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے عربی نام رکھ لئے۔ تیسری صدی ہجری میں خلافت عباسیہ کے ضعف و انتشار کی وجہ سے سندھ اور ملتان میں عام طور پر مسلمانوں کے سیاسی حالات بہت مضبوط نہ تھے اور طوائف الملوکی پھیل چکی تھی۔ چوتھی صدی میں ابن حوقل لکھتا ہے کہ ملتان اور منصورہ میں ایک قریشی متغلّب کی حکومت ہے جس کا جدّ مُہبّار بن الاسود قرشی تھا اور جو بنو اسامہ بن لُوَیّ بن غالب میں سے ہے۔ اہل ہند نے کئی بار اس ھبّاری متغلّب امیر پر چڑھائی کی اور چاہا کہ ادتیہ والے بت کو چھین لیں مگر ہبّاری امیر بت کو توڑ دینے اور جلا دینے کی دھمکی دیتا رہا۔ اس لئے وہ واپس لوٹ جاتے رہے۔ یہ نہ ہوتا تو وہ ملتان کو ویران کر دیتے۔ اس بیان سے ملتان کی حکومت سیاسی کمزوری کا شکار معلوم ہوتی ہے مگر دوسری طرف اسی سیّاح کے بیان کے مطابق ملتان میں دین کا کافی چرچا معلوم ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ملتان کے لوگ قرآن اور علمِ قرآن کی طرف راغب

ہیں۔ سات قرائتوں سے قرآن پڑھتے ہیں۔ فقہ، ادب اور علم کا انہیں شوق ہے۔ وہ عربی اور سندھی بولتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری اسمٰعیلیوں کے عروج کا زمانہ ہے۔ چنانچہ المعزّلدین اللہ (۳۴۱ ھ تا ۳۶۵ ھ) مصر کے فاطمی خلیفہ کے ایک داعی حلیم بن شیبان نے ملتان پر قبضہ کرلیا۔ قرمطیوں نے ۳۳۲ ھ سے ۴۳۴ ھ تک تقریباً" سو سال ملتان میں حکومت کی۔ لیکن تاریخ فرشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی کے نصف ثانی میں ملتان راجہ جے پال کے اقتدار کے ماتحت تھا۔

چوتھی صدی کے آخر اور پانچویں صدی کی ابتداء میں غزنوی دور کے شروع ہونے کے بعد پنجاب میں نشر و اشاعت اسلام کا کام زور شور سے ہونے لگا۔

مبلّغانِ اسلام میں سے فضلِ تقدّم شیخ اسمٰعیل کو ہے جو سادات بخارا میں سے تھے اور حدیث و تفسیر کے بلند مرتبہ عالم تھے۔ ۳۹۳ ھ میں راجہ جے پال والیٔ لاہور مرگیا اور سلطان محمود غزنوی نے اسی سال بٹھنڈہ کے راجہ کو شکست دی تو پنجاب میں مسلمانوں کی آمد و رفت کا راستہ کھُل گیا۔ چنانچہ شیخ اسمٰعیل ۳۹۵ ھ کے آخر میں لاہور آئے۔ "تذکرہ علمائے ہند" میں ہے کہ وہ پہلے بزرگ تھے جنہوں نے لاہور میں حدیث و تفسیر کا درس دیا اور بے شمار غیر مسلم ان کی مجالس وعظ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ یہ بزرگ ۴۴۸ ھ میں لاہور ہی میں فوت ہوئے۔ بقول فرشتہ ۴۴۳ ھ میں غزنویوں کے مقرر کردہ گورنر نے لاہور میں ایک پختہ قلعہ بنوایا۔ لاہور کے اسی دور کی ایک مسجد حبشی کا ذکر فخر الدین مبارک شاہ نے کیا ہے۔

جن بزرگوں نے شمالی پنجاب میں اسلام کو پھیلایا' ان میں شیخ فخرالدین زنجانیؒ بھی ہیں جو شیخ سعد الدین حمویؒ کے پیر تھے اور لاہور میں مدفون ہیں۔ اور انہیں بزرگوں میں حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ داتا گنج بخش ہیں' جو شام سے ترکستان تک کے مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہو کر لاہور میں مقیم ہوئے اور دن میں درس و تدریس اور شب کو تذکیر و تلقین میں مصروف رہ کر دین اسلام اور علم دین کی تبلیغ و اشاعت میں منہمک رہے اور لاہور ہی میں ۴۶۵ھ کے آخر میں ان کا وصال ہوا۔ اور یہیں ان کا مزار بنا۔ اس زمانے میں مبلّغین اسلام کا کام کس قدر دشوار تھا جناب ہجویریؒ نے "کشف المحجوب" میں دکھ بھرے الفاظ میں فرمایا کہ "اس وقت میں دیارِ ہند میں شہر لاہور میں' جو ملتان کے مضافات میں سے ہے' ناجنسوں کے درمیان گرفتار ہوں"۔

یہاں کے لوگ ان مبلّغوں سے انتہائی اختلاف رکھتے تھے۔ ان کی زبان اہل ملک سے مختلف' ان کا دین بالکل مختلف' غیروں کو یہاں والے ملیچھ کہتے تھے۔ ان سے میل جول' شادی بیاہ' قربت' ہم نشینی' کھانا پینا سب کو ناجائز سمجھتے تھے۔ پھر جب عربوں نے سندھ اور پنجاب کو فتح کیا اور ان کے بعد غزنویوں نے ان علاقوں اور ہندوستان کے بعض حصوں کو فتح کیا تو مذہبی منافرت اور بُعد کے ساتھ سیاسی منافرت اور بُعد بھی شامل ہو گئے۔

بہرحال ہزار ستائش کے لائق ہیں وہ پاک لوگ جنہوں نے ایسے گریزپا لوگوں میں رہ کر انہیں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اپنے کامل ایمان' مضبوط یقین' راسخ عزم اور ظاہر و باطن کی پاکیزگی سے گمراہوں کو سیدھی راہ دکھائی اور ان کی نجات کا باعث بنے۔ اس اثنا میں ہر مخالفت کو توڑا اور ہر خطرے کا مقابلہ کیا۔

چھٹی صدی میں غزنویوں نے سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے غزنی کے علاوہ بتدریج لاہور کو دوسرے دارالخلافہ کی حیثیت عطا کی' اور ۵۵۶ھ میں جب غوریوں نے غزنی کو ان سے چھینا تو انہوں نے لاہور کو اپنا مستقل دارالخلافہ بنا لیا۔ یہاں تک کہ ۵۸۲ھ نے غوریوں نے لاہور کو بھی ان سے چھین لیا۔ ان حالات کا اثر دین اور علم دین کی اشاعت پر بھی پڑا۔ بہت سے فضلاء اور مشائخ افغانستان سے پنجاب میں آئے اور لاہور کو علم و دین کا مرکز بنایا گیا۔ چنانچہ سمانیؒ نے لاہور کے دو محدثوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک ۵۲۹ھ میں اور دوسرا ۵۴۰ھ میں فوت ہوا۔

چھٹی' ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری پنجاب میں اسلام کی اشاعت کے اعتبار سے نہایت اہم صدیاں ہیں۔ شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریاؒ اور ان کے معاصر شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمہا اللہ اور مخدوم جہانیاںؒ اچّی اور ان بزرگوں کے مرید اسی زمانے میں محوِ عمل تھے۔ ان کے دمِ پاک سے بہت سے مردہ دل زندہ ہوئے اور پنجاب کے گوشے گوشے میں نورِ اسلام پھیلا۔

کوٹ کروڑ میں شیخ بہاء الدین زکریاؒ ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ خراسان' بخارا اور مدینہ شریف میں علم حاصل کیا۔ پھر بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے خرقہ خلافت پا کر ملتان میں درس و ارشاد میں مصروف ہو گئے اور ملتان میں ۶۶۱ھ میں واصل بحق ہوئے۔ آپ کے مرید حسینی ہروی اپنی مثنوی "کنز الرموز" میں آپ کی جانِ پاک کو منبعِ صدق و یقین' آپ کے دلِ آگاہ کو رحمتِ عالم اور آپ کی استقامت کو پیغمبری استقامت بتاتے ہیں۔

"وہ ایسے مرشد تھے جن سے بہت سے اولیاء اللہ کے سلسلے پھوٹتے

ہیں۔ لوگوں کو کفر سے ایمان کی طرف، نافرمانی سے طاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لانے میں وہ بڑی شان کے مالک تھے"۔

ان کے معاصر شیخ فرید الدین شکر گنج کا وصال ۶۶۴ھ میں ہوا۔ ان کے اور ان کے مریدوں کی سعی سے تمام پنجاب نورِ اسلام سے منور ہو گیا۔ پنجاب کی سولہ غیر مسلم قوموں نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا۔ مثلاً سیال، جو پنجاب کے مغربی میدانی علاقے کی نہایت اہم اقوام میں سے ہیں اور غالباً پنوار راجپوت ہیں۔ ان کا مورثِ اعلیٰ سیال پاکپتن میں جناب بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور اس کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔ سیال جھنگ، ملتان، شاہ پور، گجرات، ڈیرہ جات اور مظفر گڑھ کے ضلعوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

سیالوں کی طرح ملتان کے بہرہ جاٹ بھی آپ ہی کے دست حق پرست پر ایمان لائے۔ اسی طرح اور قوموں کی روایات بھی یہی ہیں کہ باوا صاحبؒ نے ان کے اجداد کو مسلمان کیا۔

سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کے اجداد بخارا سے بھکر آئے اور وہاں سے اوچ میں جا بسے۔ مخدوم صاحب ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ علم، ولایت اور سیادت کے جامع تھے۔ کثرتِ سیاحت کی وجہ سے "جہان گشت" کہلائے۔ شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے خرقہ پہنا، تغلق بادشاہ ان سے اعتقاد اور اخلاص سے پیش آتے تھے۔ آپ کا وصال ۷۸۵ھ میں ہوا۔ "فرہنگ قبائل و اقوام پنجاب و سرحد" کے مصنّف نے لکھا ہے کہ ملتان کے نون جاٹوں کے اجداد حضرت مخدوم جہانیاں کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ چنڑ جاٹوں کے متعلق بھی

اسی کتاب میں یہی لکھا ہے۔ چنڑ تحصیل لودھراں ضلع ملتان اور بہاول پور میں رہتے ہیں۔ بہاول پور گزیٹیر (ص ۲۴۲) پر متعدد اقوام کی فہرست دی ہے۔ جنہوں نے مخدوم صاحب کی وجہ سے اسلام قبول کیا۔

مغلوں کے زمانے میں جناب داؤد بندگیؒ شیر گڑھی نے اہم تبلیغی کام سرانجام دیا۔ بداؤنی جو ان کی خدمت میں حاضر ہوا، لکھتا ہے کہ "چار دن ان کی خدمت میں مقیم رہا اور کم ہی کوئی دن تھا جس میں سو سو پچاس پچاس ہندو خیل و تبار سمیت اسلام نہ لائے"۔ اس دور میں تبلیغی کوششوں نے علمی رنگ بھی اختیار کیا۔ اس زمانے میں دین کی تلقین کے لئے مدرسوں پر زور دیا گیا ہے۔ جنہیں اکثر حکومت کی مالی امداد حاصل تھی مثلاً عہدِ جہانگیری میں لاہور میں دائی لاڈو کا مدرسہ مشہور تھا اور سیالکوٹ میں مُلّا عبدالحکیم کا مدرسہ۔ مُلّا صاحب کو شاہجہان نے سونے چاندی میں تلوایا تھا۔ اس مدرسے میں نہ صرف پنجاب بلکہ بنگال، کشمیر، ایران، توران، بلکہ عراق و مصر تک کے طلبہ آتے تھے۔ عہد اورنگ زیبی میں مدرسہ قادریہ بٹالہ بھی ایک مشہور مدرسہ تھا۔ یہ مدارس دینی اور دُنیوی علوم کے مرکز تھے اور ان میں ذہنی تربیت کے ساتھ اخلاقی تربیت بھی مقصود تھی۔ مَثَلُ نُورِہٖ لا کَمِشْکوٰۃٍ فِیہَا مِصْبَاحٌ

پاکستان و ہند میں چند کروڑ مسلمان بستے ہیں۔ ان میں ایک قلیل تعداد ان لوگوں کی ہے جن کے آباؤ اجداد ابتدائی فاتحین کے ساتھ یا بعد میں سندھ و ہند میں آئے تھے۔ باقی اکثر مسلمان ان لوگوں کی اولاد ہیں جو اس ملک کے باشندے تھے اور جنہوں نے اس ملک میں اسلام قبول کیا۔ یہ دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک قلیل تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے مسلمان فاتحین کے اثر سے

اسلام قبول کیا اور ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے بطیبِ خاطر
مبلغینِ اسلام، فقرا، متصوفہ اور علما و تجار کی تلقین اور رہنمائی سے یہ دولت
پائی۔ جن کے زیرِ ہدایت یہاں کے غیر مسلم باشندوں نے اسلامی تعلیمات کو
قبول کیا۔

شمالی اور شمال مغربی اور مغربی حصص ملک میں عرب پہلی صدی ہجری
میں پہنچ چکے تھے۔ ۱۵ھ میں عربوں کا ایک لشکر سمندر کے راستے سے تھانہ اور
بھڑوچ کے مقامات پر پہنچا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں مُہلب بن ابی صُفرۃ کی
فوجوں نے کابل اور ملتان کے درمیان بعض علاقوں کو فتح کیا۔ ۹۴ھ میں محمدؒ بن
قاسم نے مکران کے راستے قدیم سندھ پر حملہ کیا اور سندھ کے سارے علاقہ پر
یعنی آج کے سندھ اور بلوچستان، مشرقی مکران، ملتان اور اس سے اوپر کے
علاقے یعنی آج کے مغربی پنجاب کے بعض اضلاع پر بھی قبضہ کرلیا۔ یہ عرب
حکومت جو اس طرح پر قائم ہوئی تقریباً" دو سو برس تک قائم رہی۔ بظاہر اس
کی توسیع کی کوشش کسی بڑے پیمانے پر نہیں کی گئی، البتہ عہدِ بنی امیّہ میں جب
جنید بن عبدالرحمن المُرّی کو والیِ سندھ مقرر کیا گیا تو کاٹھیاواڑ کے شہر اوکا منڈل
اور بھڑوچ وغیرہما میں اس نے اپنے والی مقرر کئے اور مالوہ اُجیّن اور گوجروں
کے دارلسلطنت بھین مال کی طرف جو کوہِ آبو کے پاس ہے، فوجیں بھیجیں۔ مگر
ان مقامات پر کوئی دیرپا قبضہ نہ ہوا۔ سندھ اور ہند میں ان فتوحات کے سلسلے
میں بعض لوگ مسلمان تو ہو گئے مگر جب موقع ملا۔ ان میں سے بعض مرتد بھی
ہوتے رہے۔ چنانچہ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب الحکم بن عوانۃ الکلبی والی مقرر
ہوا تو اہلِ ہند باستثنائے اہل کچھ کافر ہو چکے تھے۔

فتح سندھ کی نسبت فتوحاتِ اسلامیہ کی زیادہ پائیدار صورت وہ تھی جس
کا آغاز افغانستان سے ہوا۔ صّفاریوں نے کابل میں ایک محکم اسلامی حکومت
قائم کی اور جب سامانیوں نے صّفاریوں کی جگہ لی تو انہوں نے الپتگین کو
افغانستان میں گورنر مقرر کیا اور اس زمانے سے غزنی کو مرکزی حیثیت حاصل
ہو گئی۔ اور یہیں غزنویوں نے ایک زبردست حکومت کی بنیاد رکھی جو دو سو سال
تک قائم رہی۔ جب غزنویوں نے ہندوستان پر حملے کئے اور آخرا" لاہور کو اپنا
مرکز بنا لیا۔ اس وقت سے صحیح طور پر اسلامی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی
اور غزنویوں کے بعد غوریوں اور ان کے غلاموں نے بتدریج تمام شمالی ہند پر
اسلامی تسلط قائم کر دیا۔ جب سلاطین ہند کی سلطنت کمزور ہونے لگی تو بابر اور
ان کے جانشینوں نے اس ملک کو فتح کر کے دوبارہ اس ضعف کو قوت میں بدل
دیا۔

مثلاً "فتوح البلدان" میں ہے کہ جب محمدؒ بن قاسمؒ نے سندھ کے شہر
الرّور کا محاصرہ کیا تو صلح ہو جانے کے بعد شہر پر قبضہ ہوا۔ محمدؒ بن قاسم نے حکم
دیا کہ شہر کے باشندوں کو قتل نہ کیا جائے۔ ان کا معبد بلاتعرّض اسی طرح چھوڑ
دیا جائے۔ اس لئے کہ سندھ کا معابد کا وہی حکم ہے جو نصاریٰ اور یہود کے
کلیسان اور مجوس کے آتش کدوں کا حکم ہے۔ محمدؒ بن قاسم نے ان پر خراج لگا
دیا اور الرور میں مسجد بنا دی۔ اور کوئی تعرض سندھیوں کے مذہب سے نہ کیا۔
حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور حکومت میں جو ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک رہا،
ملوکِ سندھ کو خط لکھے۔ انہیں اسلام لانے اور اطاعت کرنے کی دعوت دی،
بدیں شرط کہ اسلام لانے پر وہ بدستور اپنے علاقہ کے حاکم رہیں گے اور جو

باتیں مسلمانوں کے موافق ہوں گی وہ ان کے بھی موافق ہوں گی اور جو باتیں مسلمانوں کے خلاف ہوں گی وہ ان کے بھی خلاف ہوں گی۔ چونکہ حضرت عمر ثانی کی سیرت اور طریق کا حال سندھ کے لوگوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ راجہ جیسیہ اور ملوکِ سندھ اسلام لے آئے اور عربوں کی طرح کے نام انہوں نے رکھ لئے۔

"(محمد بن قاسم نے) ابو حکیم شیبانی کو دس ہزار سوار کے ساتھ رائے قنوج کی طرف بھیجا تاکہ دارالخلافت سے جو دعوت اسلام کا آیا تھا وہ اسے پہنچائے"۔

غوریوں کے متعلق "تاریخ فرشتہ" میں ہے کہ گکھڑوں کا ایک سردار قید ہو کر محمد غوری کے سامنے پیش ہوا اور اس کے ترغیب دلانے پر مسلمان ہوا۔ پھر اس نومسلم رئیس نے اپنی ساری قوم کو مسلمان کر لیا۔ خلجی بادشاہوں کے ذکر میں ابن بطوطہ (۳: ۱۹۷) نے لکھا ہے کہ:-

"اس ملک کے لوگوں کا دستور یہ ہے کہ ہندو اگر اسلام لانا چاہے تو اس کو سلطان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ وہ اس کو خلعت دیتا ہے اور اس کی حیثیت کے مطابق اسے سونے کا کنٹھا اور سونے کے کنگن عطا کرتا ہے"۔ (رحلہ طبع پیرس)

"فتوحات فیروز شاہی" سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

"ان سلاطین میں سے سلطان فیروز شاہ نے خدمتِ اسلام میں کافی سرگرمی دکھائی۔ اول منعِ بدعات اور دفعِ منکرات اور قلعِ محرمات کو اس بادشاہ نے اپنے اوپر واجب کیا۔ اور چاہا کہ حق سے باطل کو جدا کرنے کی غرض سے باطل

رسموں اور خلاف شرع دستوروں کو بکلّی دور کیا جائے۔ خواہ اس سے خزانے کو نقصان ہی پہنچے"۔

چنانچہ قسم قسم کی خلافِ شرع محاصل اس نے موقوف کر دیئے اور بیت المال میں صرف ان وجوہات کا داخلہ جائز رکھا۔ جو شریعت میں درست تھے۔ دوسرے اس نے یہ کیا کہ مدارس اور خانقاہیں تعمیر کیں۔ اور سابقہ مرمت طلب عمارتوں کی مرمت کی۔ تیسرے یہ کہ اہلِ ذمّہ کو دین ہدایت کی طرف ترغیب دی اور اعلان کیا کہ "جو کافر کلمہ توحید پڑھے اور دین اسلام قبول کرے۔ احکام دین کے مطابق اسے جزیہ معاف کیا جائے"۔ چنانچہ اسی بادشاہ نے لکھا ہے:-

"جب اس اعلان کی اطلاع لوگوں تک پہنچی تو فوج فوج اور جماعت جماعت ہنود آئے اور شرفِ اسلام سے مشرف ہوئے اور اب تک اطراف سے لوگ آتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں اور جزیہ انہیں معاف کر دیا جاتا ہے' اور انعامات اور تشریفات سے انہیں خاص کر دیا جاتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین"۔

فیروز تغلق ہی نے اپنے سے پہلے سلاطین کی خدمتِ اسلام کا ذکر بھی کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدماتِ جلیلہ ضمنی اور بالواسطہ تھیں نہ کہ براہ راست۔ چنانچہ بادشاہ مذکور لکھتا ہے:-

"بادشاہ اسلام کی ہمت کے یُمن اور ان کی آرزو کی برکت سے بلادِ کفار فتح ہوئے اور ان کے جھنڈے، ہر دیار میں مظفر و منصور' اور مساجد و منابر معمور اور مرتفع ہوئے اور کلمہ طیبہ بلند ہوا۔ اور اہلِ اسلام کی قوت میں اضافہ

ہوا اور حربی ذمّی بن گئے"۔

جب حکومت سلطان بابر اور اس کی اولاد کو پہنچی اور اسلامی سلطنت ملک کے طول و عرض میں استوار بنیادوں پر قائم ہو گئی تو قدرتی طور پر اسلامی اثرات کو بھی ملک میں تقویت پہنچی۔ گو اصولی طور پر غیر مسلم جبر و اکراہ سے محفوظ تھے مگر اسلام کے حقائق کا اثر و نفوذ اس دور میں غیر مسلموں کے دلوں میں طبعی طور پر بہت بڑھ گیا۔ عقیدۂ توحید کی روشنی نے بہت سے تنگ و تاریک دلوں کو منور کیا۔ جس نے نہ مانا اس نے بھی ان حقائق کو پہچان ضرور لیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کلمہ طیّبہ کا جو بیج غربی ساحل کی سرزمین میں بویا گیا۔ بعد کی صدیوں میں اس کی کیا کیفیت رہی۔

"مُروج الذہَب" کا مصنف، مشہور جہان گشت سیاح مسعودی ۳۰۴ھ میں اس ساحل پر پہنچا۔ وہ لکھتا ہے کہ صیمور، یعنی وہ چول میں اس وقت دس ہزار کے قریب مسلمان باشندے تھے۔ ان میں کچھ تو "بیا سِر" یعنی وہ لوگ جو عربوں کی اولاد تھے مگر جن کی مائیں ملکی تھیں۔ ان کے علاوہ سیراف (ساحل خلیج فارس) عُمان، بصرہ، بغداد اور دیگر شہروں کے لوگ بھی تھے۔ جو ان علاقوں میں متاہل ہو کر بس گئے تھے۔ ان میں بہت سے سربر آوردہ تاجر تھے۔ مثلاً موسیٰ بن اسحٰق صندانوی (سند ابوری) جو ان کا ہنرمند یا چودھری تھا اور ابو سعید معروف بن زکریا۔ "ہنرمند" یہاں مسلمانوں کے رئیس یا سردار کو کہتے ہیں۔ یہاں کا راجہ روٗسائے مسلمین میں سے ایک کو مسلمانوں کا سردار مقرر کر دیتا ہے، جو ان کے معاملات کا تصفیہ کرتا ہے"۔

مسعودی کے بعد ایک اور سیاح ابودُلف مِشعَر بن مُہلہِل الخزرجی نے جو

سامانیوں کا سفیر بن کر ۳۳۱ھ میں ہندوستان آیا۔ صیمور کے متعلق لکھا ہے کہ "وہاں مساجد موجود ہیں"۔ یاقوت نے (ساتویں صدی میں) "معجم البلدان" میں لکھا ہے کہ "صیموَر بلُہارا کے علاقے میں ہے"۔ (مراد اس کی گجرات کے ولّبھی حکمرانوں سے ہے۔ جنہیں عرب اس لقب سے یاد کرتے تھے)۔ پھر لکھا ہے کہ "صیمور اور کنامہ ان بلاد میں سے ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں۔ رائے کی طرف سے ان مسلمانوں کا حاکم بھی مسلمان ہی مقرر ہوتا ہے۔ وہاں جامع مسجد بھی ہے جہاں نماز باجماعت ادا ہوتی ہے"۔

ابوالفداء (آٹھویں صدی کے ربع اول) نے لکھا ہے کہ "کولَم میں ایک نفیس مسجد اور ایک منڈی ہے جس میں مسلمان تاجروں کی دکانیں ہیں"۔ یاقوت ہی نے ابن عساکر کی "تاریخ دمشق" کے حوالے سے ایک مالا باری محدث کا بھی ذکر کیا ہے جس نے شام کی ایک بندرگاہ صیدا کے علاقے میں حدیث روایت کی ہے۔

ابن بطوطہ نے اسی صدی کے ربع سوم میں یہاں کے حالات بہت مفصل بیان کئے ہیں۔ وہ کنبایت سے خشکی کے راستے گوآ سے ہوتا ہوا ایک مقام پر پہنچتا ہے۔ جس کا نام وہ قندھار بتاتا ہے۔ یہاں سے وہ کشتی میں سوار ہوتا ہے اور کوکن اور مالا بار کے اکثر بندروں کی سیر کرتا ہے۔ وہ شمال سے جنوب کو جا رہا ہے۔ تمام بڑی بڑی بندرگاہوں میں وہ مساجد، قاضیوں، خطیبوں، خوشحال مسلمان تاجروں اور دیگر مسلمان باشندوں کی موجودگی کا ذکر کرتا ہے۔

مثلاً ہنور کی نسبت وہ کہتا ہے کہ وہاں کے لوگ شافعی المذہب ہیں۔ صالح دین دار، مجاہد فی البحر اور قوی ہیکل ہیں۔ معلم قرآن اور قاضی اور خطیب

یہاں ہیں' عورتیں ساڑھیاں پہنتی ہیں۔ سب قرآن مجید کی حافظ ہیں۔ میں نے
دیکھا کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے یہاں ۱۳ مکتب ہیں اور لڑکوں کے لئے ۲۳۔
اور جگہ میں نے ایسے مکاتب نہیں دیکھے۔ مالا بار کی حد یہاں سے تین دن کی
راہ پر ہے۔ مالابار فلفلستان' صندا پور سے کولم تک پھیلا ہوا ہے۔ یعنی دو
مہینوں کی راہ تک' اس راہ کی تمام منازل مسلمانوں کے گھر ہیں اور مسلمان
مسافران کے ہاں ٹھہرتے ہیں اور ضروریات ان سے خریدتے ہیں۔ اور وہی ان
مسافروں کے لئے کھانا بھی پکا دیتے ہیں۔ مسلمان ان علاقوں میں احترام اور
توقیر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر ہندو ان کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے اور نہ
ان کو اپنے گھروں کے اندر آنے دیتے ہیں۔ باکنور میں بھی مسلمانوں کی ایک
جماعت سکونت رکھتی ہے۔ ان کے رئیس حسین سلّاط نے یہاں ایک مسجد
بنائی ہے۔ جمعہ ہوتا ہے' قاضی اور خطیب ہیں' مگر مسلمان یہاں کمزور ہیں۔

منگلور میں فارس و یمن کے اکثر تاجر آتے ہیں۔ اس لئے کہ کالی مرچ
اور سونٹھ یہاں بہت ہوتی ہے۔ یہاں چار ہزار کے قریب مسلمان ہیں۔ ان کا
قاضی شافعی المذہب ہے۔ مسلمان یہاں قوی ہیں۔ شہر کے باہر ایک پورا محلہ
ان کا ہے۔ راجہ ان سے خوف کھاتا ہے۔

ھِیلی اس میں جامع مسجد ہے۔ بہت برکت والی اور درخشندہ نور والی۔
اس مسجد میں کافی بڑا خزانہ مال ہے۔ طالب علموں کی ایک جماعت مسجد میں
پڑھتی ہے اور مالِ مسجد سے وظیفہ پاتی ہے۔ آئندہ و روندہ کے لئے مسجد کے
ساتھ لنگر بھی ہے۔ مسجد میں ایک فقیہہ صالح سے ملاقات ہوئی جو مقدِشو کا
باشندہ ہے (یہ شہر اطالوی سومالی لینڈ کا دارالسلطنت تھا) چودہ سال کے شریف

میں رہا۔ اتنے ہی سال مدینے شریف میں' ہندوستان اور چین کی سیر کر چکا ہے۔

کوہل میں جامع مسجد ہے' جو کہتے ہیں کہ یہاں کے راجہ نے بنائی تھی
جو مسلمان ہو گیا تھا۔

فَندْرِینہ بہت آباد شہر ہے۔ اس میں مسلمانوں کے تین محلے ہیں۔ کالی
کٹ' مالا بار بہت بڑی بندرگاہ ہے۔ چین' جاوہ' سیلوہ' مالدیو' یمن اور فارس کے
سوداگر یہاں جمع ہوتے ہیں۔ اس کی لنگرگاہ دنیا کی بہت بڑی لنگرگاہوں میں سے
ہے۔ یہاں کا راجہ سامری یعنی زمورن کہلاتا ہے' یہاں کا امیرالتجار ابراہیم شاہ
بندر ہے' جو بحرین کا باشندہ ہے۔ قاضی یہاں کا فاضل اور فیاض آدمی ہے۔
یہاں ایک زاویہ بھی ہے اور صاحبِ زاویہ شہاب الدین گازرونی ہیں۔ شیخ ابو
اسحاق ابراہیم گازرونی علیہ الرحمتہ (م: ۴۲۶ھ) کے معتقدین ہندوستان اور چین
سے نذر و نیاز یہاں لائے ہیں۔ ناخدا مشقال' ایک مشہور شخص یہاں رہتا ہے'
جو کئی جہازوں کا مالک ہے۔ اس کے جہاز ہند' چین' یمن اور فارس کے درمیان
تجارتی سامان لاتے' لے جاتے ہیں۔

کُنجی کری یہ مالا بار کے خوبصورت مواضع میں سے ہے۔ مسلمان
تاجروں کی ایک جماعت یہاں مقیم ہے۔ مالا بار سے چین جانے والے تاجر
یہیں سے سفر شروع کرتے ہیں۔ مسلمان یہاں بھی عزیز و محترم ہیں۔

۸۴۶ھ میں کمال الدین عبدالرزاق سمرقندی صاحب مطلع سعدین'
تیمور کے بیٹے شاہ رخ کی طرف سے سفیر بن کر بیجانگر کی طرف آیا اور کالی کٹ
میں آکر کشتی سے اترا۔ وہ کالی کٹ کے متعلق لکھتا ہے۔

"یہ ایک پُر امن بندرگاہ ہے۔ ہر بلاد و دیار کے تاجر یہاں آتے ہیں۔

یہ شہر کفار اور دار الحرب ہے۔ مگر مسلمانوں کی ایک جماعت اس شہر میں بستی ہے۔ دو مسجدیں انہوں نے بنائی ہیں۔ لوگ اطمینان کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کا قاضی ایک متدیّن آدمی ہے۔ اور لوگ اکثر شافعی مذہب کے ہیں۔ خود راجہ نے بھی جو خط شاہ رخ کو لکھا تھا اس میں کہا تھا۔ "اس بندر میں جمعہ اور عید کے دن خطبہ اسلام پڑھا جاتا ہے"۔

۱۹۰۱ء کی مردم شماری میں کالی کٹ میں ۴۰ فیصدی آبادی مسلمانوں کی تھی اور اس میں چالیس سے زیادہ مسجدیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک میں ایک شیخ مدفون ہیں جو دسویں صدی ہجری میں مصر سے یہاں آئے اور جن کے ساتھ موپلوں کو اس قدر حسن عقیدت ہے کہ وہ اپنے ہر قسم کے تنازعوں کو طے کرنے کے لئے ان کی قبر پر آتے ہیں۔

مشرقی ساحل کے حالات اس سے مختلف نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان تاجر وہاں بھی جا کر آباد ہو گئے تھے۔ جاہلیت کے زمانے سے عرب جہاز ران چین تک جاتے تھے اور جاہلیت اور اسلام میں ان کی بستیاں ہندوستان کے مشرقی ساحل پر بھی بس گئی تھیں۔ مثلاً قائل میں، جہاں کی مسلمان بستیاں ہیں۔ کہتے ہیں کہ تلنگو اور تامل میں عرب کو بگاڑ کر بتے اور لبّے بنا دیا ہے۔ مسلمانوں کی اصطلاح میں مشرقی ساحل ہند کو معبَر یعنی گزرگاہ چین کہتے ہیں۔ معبَر کے ہندو راجہ تجارت کی وجہ سے مسلمانوں کی بہت قدر کرتے تھے اور ان کے اعزاز و اکرام اور سرپرستی میں کسی قسم کی کوتاہی ہونے نہیں دیتے تھے۔ اور اشاعت اسلام میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں کرتے تھے۔ اور انہیں وجوہات سے داعیانِ اسلام و مبلغین نے بے روک ٹوک اسلام کا پیغام ان اطراف میں سب

کو پہنچایا۔

خلجیوں کے حملہ دکن سے صدیوں پہلے اہم تجارتی مرکزوں میں مسلمان موجود تھے اور مبلّغانِ اسلام بے کھٹکے اشاعتِ اسلام میں مصروف تھے۔ اور متعدد نئی قومیں عربوں اور مقامی عناصر کے امتزاج سے وجود میں آ چکی تھیں۔ مثلاً لبّے وغیرہم۔

معبر یا کورومنڈل میں جو اثر و نفوذ مسلمانوں کو حاصل تھا اس کا تفصیلی ذکر وصاف نے اپنی تاریخ (۱: ۳۰۲) میں یوں کیا ہے:-

"معبر میں چین و ماچین اور بلاد ہند و سندھ سے بڑی بڑی کشتیوں میں تجارتی مال آتا تھا اور وہاں سے خلیج فارس کے جزائر میں خصوصاً" اور عراق و خراسان تا روم و فرنگ میں عموماً" تقسیم ہوتا تھا۔ تقی الدین عبدالرحمن ابن محمد الطیبی معبر کے راجہ کا نائب اور وزیر تھا۔ راجہ نے پٹن اور ملی پٹن اور قائل، یہ تین مواضع اس کو دے رکھے تھے۔ جزیرہ قیس بن عمیرہ میں، جو بقول ابن خلکان عوام کے نام سے مشہور ہے۔ ساحل فارس کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ ملک اسلام جمال الدین (تقی الدین کا عزیز) حاکم و متصرف تھا۔ اس کے اور جزیرہ قیس کے تاجر ہر سال خلیج فارس کے اطراف (یعنی جزائر فارس، قطیف، لحسا و بحرین و ہرمز و قلہات) سے چودہ سو گھوڑے فراہم کر کے معبر میں پہنچاتے تھے اور ۲۲۰ دینار یعنی ڈیڑھ ہزار روپے سے زائد فی راس قیمت وصول کرتے تھے"۔

وصّاف کہتا ہے:- "چونکہ جنود ہنود کو گھوڑوں کو بیچ میں آرام دینے اور ترتیبِ رکوب اور رسوم فروسیّت سے واقفیت نہیں۔ تھوڑی ہی مدت کے

میاں محبت شاہ وارثیؒ

بعد یہ گھوڑے دبلے، کاہل اور کودن، بلکہ معیوب اور ردّی ہو جاتے تھے اور دکن کی آب و ہوا بھی انہیں غیر موافق تھی۔ اگر گھوڑیاں بچے دیتی تھیں تو وہ بغایت حقیر اور قبیح و زشت ہوتے ہیں۔ اور انہیں لوگ سواری کے لائق نہیں سمجھتے۔ غرض یہ کہ نئے گھوڑے ان کو سال بسال درکار ہوتے ہیں۔ اور مجبور ہو کر ان لوگوں کو بلاد اسلام کی ناز برداری کرنا پڑتی ہے۔ جب ۶۹۲ھ میں معبّر کا پانڈیا راجہ مرا تو ملکِ اعظم تقی الدین اس کے جانشین کا نائب، مشیر اور اس ملک کا حاکم بن گیا۔ اور امارت کے علاوہ اس کی تجارت بھی بدستور جاری رہی اور اس میں اس کا دخل و تصرف اس حد تک تھا کہ اگر اقصائے چین اور بلاد ہند سے تجارتی مال آتا تھا تو اس کے وکیلوں اور گماشتوں کی اجازت کے بغیر اس مال کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی تھی۔ جب نفیس سے نفیس چیزیں اور مال تجارت حاصل ہو جاتا تو ملِک اسے اپنے جہازوں میں بھر کر اور اپنے جہاز رانوں اور ناخداؤں کے ہمراہ جزیرہ قیس میں بھیجتا۔ وہاں بھی کوئی شخص تقی الدین کے قرابت دار ملک الاسلام جمال الدین کے انتخابِ اجناس کے بغیر مال خرید نہیں سکتا تھا۔ پھر جس چیز کو وہ مناسب سمجھتے تھے تاجروں کو خریدنے کی اجازت دیتے۔ باقی کشتیوں میں بھر کر، یا جانوروں پر لاد کر جزائر، بحر اور بلاد شرق و غرب کو بھیجتے۔ ایسی تجارت کہ ایک ہی سوداگر اقصائے چین سے"
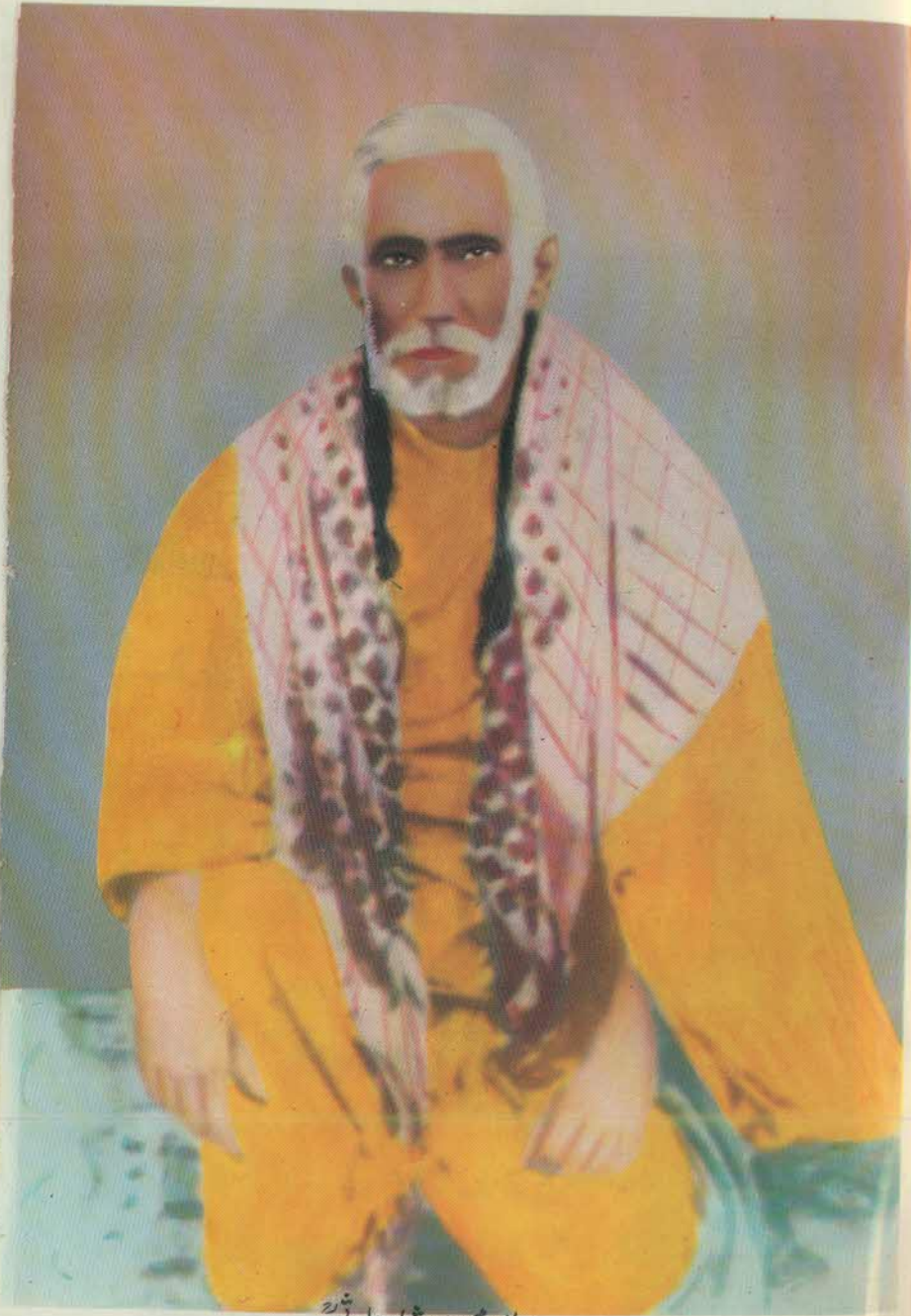
حضرت سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہؒ

جس وقت آپ نے ہوش سنبھالا ملک میں سیاسی و سماجی بحرانی کیفیت طاری تھی اور ایک عجیب کشمکش تھی۔ سیاسی اقتدار کی مالک ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ بادشاہت ختم ہو چکی تھی۔ نمائشی بادشاہ مغلیہ سلطنت کی آبرو بچائے تھا۔ کمپنی کے اقتدار کے ہمدوش مذہب عیسوی نے فروغ حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ممتاز حکام مسیحی تنظیموں کی سرپرستی کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ ان تمام پیچیدگیوں نے بغاوت کا جذبہ پیدا کر دیا' علماء بھی میدان جنگ میں سینہ سپر ہو گئے۔ انگریزی ڈپلومیسی سے ہندوستانی شکست کھا گئے۔ انگریزوں کو مکمل اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو گیا۔ ملک تاج برطانیہ کے زیرِ نگیں ہو گیا۔

انگریز مسلمانوں سے سخت بدگماں تھے۔ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بھی سب سے زیادہ مسلمان تھے۔ مسیحی اخباروں اور رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی۔ اسلامی تعلیم کی برائیاں ظاہر کی جاتیں۔ بانی اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں ہوتی تھیں۔ حیات شبلی کے دیباچہ میں علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں۔

مزارِ اقدس حافظ قاضی اکمل شاہ وارثیؒ

"انگریزوں کے برسرعروج آتے ہی تین طرف سے حملوں کا آغاز ہوا۔ عیسائی مشنریوں نے اپنی نئی سیاسی طاقت کے بل بوتے پر اسلام کے قلعہ روئیں پر حملے شروع کر دیے۔ دوسری طرف ہندوؤں میں آریہ تحریک نے اپنے سابق حکمرانوں سے نجات پر کران پر حملہ کی جرأت پائی اور سب سے آخر میں یورپین علوم و فنون اور تمدن کی ظاہری چمک دمک مسلمانوں کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی"۔

انگلینڈ میں ملکہ وکٹوریہ کی حکمرانی تھی۔ یہ دور حکومت وہاں کی تاریخ میں عہد زریں کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں علمی و ادبی سائنسی ترقی نقطہ عروج پر تھی۔ اس کا براہ راست اثر ہندوستان پر پڑ رہا تھا۔ مشرقی ذہن مغربی خیالات سے متاثر ہو رہا تھا۔ اس نے مشرق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسی وقت سرسید نے مغربی تعلیم و تہذیب کی تحریک چلائی جس نے پورے مسلم معاشرہ میں ہلچل مچادی۔

خیالات کی افراتفری میں مادی رجحانات قوی ہونے لگے۔ اس وقت سرکار وارث پاک" کا ظہور ہوتا ہے۔ روحانیت کا ایک چوندھیا دینے والا کرشمہ سامنے آتا ہے۔ حاجی صاحب" مذہب کے شارح یا واعظ نہیں تھے۔ انہوں نے خیال اور عمل سے اسلام کی تبلیغ کی اور وہ پیغام جو حضرت خاتم المرسلین، محبوب رب العالمین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا مقصد تک اس دور میں لاکھوں بندگان خدا تک پہنچایا۔ وہ مجروح دلوں کے لیے مرہم شفا بنا۔

خاندانی حالات

خلیفہ محتشم باللہ کے دورِ حکومت میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کر کے بڑی تباہی مچائی۔ ترکِ وطن کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس نازک دور میں ایک عالم اشرف ابی طالب معہ اہل و عیال نیشاپور سے ہندوستان تشریف لائے۔ رسول پور کنتور ضلع بارہ بنکی میں قیام فرمایا۔ یہ بزرگ حضرت سرکار وارث پاک کے مورث اعلیٰ ہیں۔ سید اشرف ابی طالب کے پوتے سید علاء الدین کا شمار شاہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلفاء میں ہوتا ہے۔ سید اشرف ابی طالب کی آٹھویں پشت میں سید عبدالاحد گزرے ہیں۔ انہوں نے ۱۱۲۷ھ میں رسول پور کنتور سے ہجرت فرما کر دیوئی میں قیام فرمایا اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت سید عبدالاحد کے پرپوتے سید سلامت تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے سید خرم علی اور سید قربان علی تھے۔ سید قربان علی کے صاحبزادے حضرت حافظ حاجی وارث علی شاہ" تھے۔ آپ کی پیدائش دیوئی میں یکم رمضان المبارک ۱۲۳۸ھ کو ہوئی۔

آپ کا مکمل نسبی شجرہ ضمیمہ سیر السادات میں اس طرح تحریر ہے:۔

حضرت حاجی حافظ سید وارث علی شاہ" ابن حکیم سید قربان علی شاہ ابن سید سلامت علی ابن سید کرم اللہ ابن سید احمد ابن سید عبدالاحد ابن سید عمر نور ابن سید زین العابدین ابن سید عمر شاہ، ابن سید عبدالواحد، ابن سید عبدالآد ابن سید علاؤ الدین اعلی ابن سید عزا الدین، ابن سید اشرف ابی طالب، ابن سید محروق، ابن سید ابوالقاسم، ابن سید عسکری، ابن سید ابومحمد، ابن سید محمد

جعفرؒ ابن سید محمد مہدی، ابن سید علی رضا، ابن سید قاسم حمزہ، ابن سید حضرت امام موسیٰ کاظمؒ، ابن سید امام جعفر صادقؒ، ابن حضرت امام محمد باقرؒ ابن حضرت امام زین العابدینؒ، ابن حضرت امام حسینؒ، ابن حضرت علی شیر خداؒ۔

عام حالات

خدا کی شان بڑی نرالی ہوتی ہے۔ دو سال کی عمر میں شفیق باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ تین سال کی عمر میں آغوش مادر مہربان سے محروم ہو گئے۔ بے بس اور بے کس بچہ کی پرورش دادی محترمہ نے کی۔ دس سال کی عمر ہوتے ہی دادی محترمہ نے بھی اس دار فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر فرمایا۔ اس وقت ان کے حقیقی بہنوئی حضرت حاجی سید خادم علی شاہ لکھنؤ لے آئے۔ تعلیم ظاہری و باطنی سے سرفراز فرمایا۔ حضرت حاجی سید خادم علی شاہ کا وصال ۱۴ صفر ۱۲۵۳ھ کو ہوا۔ کرسچن کالج لکھنؤ میں مزار ہے۔

بعد وصال حضرت حاجی سید خادم علی شاہ آپؒ ان کے سجادہ نشین قرار پائے۔ رسمِ دستار بندی ادا ہوئی۔ آپ کا سلسلہ قادریہ چشتیہ تھا۔ کچھ عرصہ لکھنؤ میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد عازمِ سفر حرمین شریفین ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف پندرہ سال کی تھی۔ مختلف ممالک کی سیاحت فرماتے ہوئے چار سال بعد واپس ہوئے۔ اسی طرح تین بار ہندوستان سے آپ نے پاپیادہ سفر حج کیا اور چار پانچ سال کے وقفہ سے واپس ہوتے رہے۔ اس مدت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک انگلینڈ، روس، جرمن، جاپان، یونان، بلقان، خراسان، بلخ، بخارا، چین، قسطنطنیہ، دمشق، کربلا معلیٰ، سیستان،

مازندلان، طہران، مصر، رے، کوفہ، حضر موت، یروشلم، قندھار، غزنیں اور کوہ قاف وغیرہ کی سیاحت فرمائی۔ اکثر اولیائے کرام و مشائخ عظام سے فیوض روحانی حاصل کئے۔ اس کے علاوہ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ کے مرید ہوئے۔

عمر کے آخری پچیس تیس سال کا زمانہ وطن و اطراف وطن میں گزارا۔ ۱۳۱۷ھ سے دیویٰ میں مستقل قیام فرمایا۔ آخری چار پانچ سال کی مدت استغراق اور سکر کی کیفیت میں گزری۔ زیادہ تر آپؒ خاموش اور تہبند سے منہ لپیٹے رہتے تھے۔ خبرداری کی حالت میں مریدوں اور معتقدین سے گفتگو کرتے۔ مولانا اعجاز احمد ہاشمی دیویؒ نے آپ کی سیرت کے بارے میں لکھا ہے:

"طبقہ اعلیٰ و ادنیٰ سب کے ساتھ یکساں محبت اور رواداری کا برتاؤ تھا۔ مہمانوں سے آپ کو بہت محبت تھی۔ بغیر کھانا کھلائے کوئی مہمان رخصت نہ کرتے تھے۔ عام زائرین سے آپ کا برتاؤ نہایت ہی محبت آمیز تھا۔ مخالف سے بھی پیار و اخلاص سے پیش آتے تھے۔ گفتگو شیریں، دلکش اور مختصر تھی"۔

حج کے دوران آپ نے احرام باندھا۔ وہ آپ کو اس قدر پسند آیا کہ ساری زندگی زیب تن کیے رہے۔ آپ کا احرام رنگین (زرد یا زردی مائل بادامی) سوتی کپڑے کا اور عرض میں ڈیڑھ گز اور طول میں چھ گز ہوتا تھا۔ آپ نے جن مریدوں کو احرام بخشا وہ بھی مستقل احرام پوش رہے ہیں۔

آپ کی تمام عمر تجرد میں گزری۔ بظاہر یہی وجہ بیان کی جا سکتی ہے کہ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے۔ کوئی مربی و سرپرست نہ تھا جو اس رسم کو ادا کرتا۔ اس کے علاوہ آپ محو باللہ تھے۔ آغازِ شباب ہی میں دنیا کو ترک کر کے اپنی

حیات کو جاں آفریں کے سپرد کر دیا تھا۔

عبادت اور ریاضت

حضرت وارث پاک ابتدا سے تمام رات نوافل اور تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہتے۔ بعد کو مسلسل روزہ رکھنے کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ صبر و رضا اور توکل آپ کا زیور تھا۔ تمام عمر اسی طرح گزار دی۔ آپ نے درگاہ شاہ ولایت دیویٰ، غار حرا، غار ثور اور مسجد نبوی میں چلہ کشی بھی فرمائی ہے۔

مسلک عشق

اسلام میں انسانیت نوازی اور رحم پروری کے باعث اس کی گنجائش ہے کہ اس کو عشق و محبت کا مذہب قرار دیا جا سکے۔ صوفیاء کرام نے اس گنجائش سے فائدہ اٹھایا ہے اور عشق و محبت کو اپنا مذہب قرار دیا۔ ان کے فکر و عمل کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ اول یہ آیت کریمہ "اَلَّذِیْنَ امنوا اشد حبا" لِلّٰہ" اہل ایمان کی محبت (عشق مولیٰ) میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ دوم یہ حدیث مقدس "الخلق عیال اللّٰہ" مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔ ان بنیادی اصولوں پر فکر عمل کی تعمیر ہوئی یعنی اللہ سے محبت اور عشق مولیٰ، بندگان خدا سے محبت اور خلق خدا کی ہمدردی، رواداری اور دوسری ملتوں کے لئے فراخی، حوصلہ یہی مسلک عشق حاجی وارث علی شاہ" کا ہے۔ یہی جذبہ ان کے حالات زندگی سے نمایاں ہے۔

ہر انسان جس نے محمد رسول اللہ کا دامن تھام لیا ہے اس کو سراسر رحمت ہونا چاہئے۔ یہ سراسر رحمت ہی صوفیاء کرام کے الفاظ میں سراسر عشق ہے۔ عاشقان مصطفیٰ اور محبان خدا کے یہاں محبت ہی محبت اور عشق ہی عشق ہے۔ عشق اسی وقت بیدار ہوتا ہے جب جذبہ پیدا ہو، عنایت خصوصی متوجہ ہو، انانیت ختم ہو جائے۔ میں کچھ ہوں کا احساس ختم ہو جائے۔ یہی عشق مولانا روم حضرت امیر خسرو" خواجہ اجمیری اور حضرت صابر کلیری، حضرت نظام الدین اولیا اور سرکار وارث پاک کے یہاں موجزن ہے۔ سب میکدہ عشق و محبت کے ساقی بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح اسلام کی کشش کو باقی رکھ کر بچھڑے ہوؤں کو ملایا، دلوں کو جوڑا اور کلمۃ اللہ بلند کیا۔

وصال پاک

۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ سے آپ کو بخار آنا شروع ہوا۔ علاج ہوا، اسی دوران مثانہ کی تکلیف شروع ہو گئی۔ علاج ہوتا رہا لیکن افاقہ نہیں ہوا۔ آخر کار ۳۰ محرم الحرام بروز پنجشنبہ دن گزار کر بوقت صبح چار بج کر تیرہ منٹ پر عالم حقیقی سے جا ملے۔ یکم صفر ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ حافظ عبدالقیوم صاحب وارثی رئیس کرنال پنجاب نے نماز پڑھائی اور بعد عصر جسد اطہر کو سپرد خاک کیا۔

پس چراشد آفتاب اندر حجاب ۱۳۲۳ ہجری

روضہ مبارک کی تعمیر کی ابتدا ۱۹۰۵ء میں ہوئی۔ درمیان میں کچھ عرصہ تعمیری کام ملتوی رہا۔ اس طرح دس سال کے عرصہ میں ۱۹۱۵ء میں مکمل ہوا۔ مزارِ اقدس کی تعمیر میں ٹھاکر پنچم سنگھ اور دیگر محبانِ وارثی نے نمایاں حصہ لیا۔

اقوالِ وارث

○ ۱- محبت عین ایمان ہے۔

○ ۲- اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر اس پر سچا بھروسہ ہے تو پھر روزمرہ کی ضروریات کے لئے پریشان ہونے عبث ہے۔

○ ۳- نماز ضرور پڑھنی چاہئے۔ یہ نظام عالم ہے۔ اگر چھوڑ دی جائے گی تو انتظام عالم میں خرابی آجائے گی۔

○ ۴- جو ہم سے محبت کرے ہمارا ہے۔ منزل عشق میں خلافت نہیں ہوتی۔

○ ۵- دو بھائیوں میں عداوت ہونا اس کی دلیل ہے کہ ان کو باپ سے محبت نہیں۔

○ ۶- حسد میں سوائے نقصان کے فائدہ نہیں۔

○ ۷- اپنی بھلائی چھپاؤ، کسی کی برائی نہ دیکھو۔

○ ۸- دوسرے کا احسان یاد رکھو، اپنا احسان بھول جاؤ، اپنے احسان کا ذکر کرنا احسان کے فائدے کو مٹا دیتا ہے۔

○ ۹- وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو کیونکہ ایفائے وعدہ نہ کرنا گناہ ہے۔

○ ۱۰- کسی مذہب کو برا نہ کہو کیونکہ اس کے ملنے کے راستے بے شمار ہیں۔

○ ۱۱- عاشق کے عشق صادق کی علامت یہ ہے کہ ذکر یار کی کثرت ہو۔

○ ۱۲- عاشق کا ایمان رضائے یار ہے۔

نظام آستانہ شریف

حضرت حاجی حافظ وارث علی شاہؒ نے اپنا جانشین و سجادہ کسی کو مقرر نہیں کیا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک باضبط تحریر جسٹس سید شرف الدین و منشی نادر حسین کے پاس محفوظ کرا دی تھی۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ہمشیرہ کے نواسے حضرت سید ابراہیم شاہ وارثی بحیثیت جانشین و سجادہ آستانہ پر رہے۔ اس کے بعد حضرت سید ابراہیم شاہ کے نواسہ علی احمد عرف کلن (۱) میاں شاہ جانشین و سجادہ مقرر ہوئے۔ محبان وارثی نے اس طرز عمل کے خلاف جدوجہد کی اور ۱۹۱۵ء میں درگاہ وارثی ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے سیکرٹری بابو کینہا لال وکیل منتخب ہوئے۔ اس ایسوسی ایشن کی جدوجہد سے ۱۹۱۷ء میں "ٹرسٹ مقبرہ حاجی سید وارث علی شاہ دیویؒ" کا قیام عمل میں آیا۔ اس ٹرسٹ کے فرائض میں مسجد و مقبرہ اور خانقاہ کی مناسب مرمت کرانا اور ان کو اچھی حالت میں رکھنا اور ایسی ترقی ان میں کرنا جو بہ لحاظ سرمایہ ہو سکتی ہے۔ عرس اور فاتحہ کا انتظام مقرر کرنا۔ حسبِ دستور موجہ مزار پر روشنی کرنا۔ زائرین کے لئے آسانیاں پیدا کرنا۔ ۱۹۱۷ء سے ٹرسٹ کمیٹی کے زیر اہتمام نظم آستانہ اقدس جاری و ساری ہے اور درگاہ وارثی ایسوسی ایشن مدد و معاون ہے۔ ٹرسٹ کمیٹی کے آنریری منیجر جناب رضی احمد تھے۔

حلقہ فقرائے وارثی کا قیام ۲۳ جولائی ۱۹۱۸ء کو عمل میں آیا۔ باضابطہ رجسٹرڈ جماعت ہے۔ اس کے فرائض میں حتی الامکان فقرائے طریق کی اصلاح، احکاماتِ وارثی کی پابندی کی تاکید اور تعلیماتِ وارثی کے متعلق جملہ غلط فہمیوں کا ازالہ بطریق احسن کرتے رہنا ہے۔

سرکار وارث پاک کے وصال کی تاریخ یکم صفر المظفر ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۷

چیت سبت ہے۔ یکم صفر کا عرس منجانب ٹرسٹ کمیٹی ہوتا ہے۔ ۷ اماہ چیت میں عرس فقرائے وارثی کی طرف سے منصوری ٹرسٹ کمیٹی ہوتا ہے جس میں کل اخراجات کا تمام و کمال انتظام فقرائے وارثی کرتے ہیں۔

کراماتِ وارث

حاجی حافظ حضرت وارث علی شاہ سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئی ہیں۔ مختصراً" چند کرامتیں پیش کی جاتی ہیں۔

رمضان کے آخری ہفتہ میں بارش ہو گئی۔ بارش میں کمی نہیں ہوئی۔ قصبہ کے لوگ حاضر خدمت ہوئے اور گزارش کی سرکار چاند کیسے دیکھیں گے اور نماز عید کس طرح ادا ہو گی۔ یہ سن کر آپ مسکرائے' باہر نکل کر آسمان پر نگاہ کرم دوڑائی۔ شام تک بارش رک گئی' چاند دیکھا گیا۔ صبح نماز عید بخیر و خوبی ادا ہو گئی۔

بعد نماز عید بارش ہو گئی۔ اس وقت پھر استدعا کی گئی۔ عید ابھی نہیں منائی۔ بارش رک جائے تو بہتر ہو گا۔ آپ نے فرمایا ہم زیادہ دخل نہیں دے سکتے۔ ہماری منزل تسلیم و رضا ہے۔ لوگوں نے اصرار کیا' آپ نے انکار کیا۔ اس پر آپ کے ہم سبق اور بچپن کے دوست جناب غلام قادر عرف چھوٹے میاں رئیس و زمیندار لالہ پور نے ضد کی۔ آپ نے خاموشی اختیار کر لی۔ لوگوں نے چھوٹے میاں کو شہ دی۔ انہوں نے جیب سے چاقو نکالا اور بولے مٹھن میاں پانی رکوایئے ورنہ اسی چاقو سے اپنی گردن کاٹ ڈالوں گا۔ حضور کو جذبہ پیدا ہو گیا۔ فرمایا اگر پانی رک جائے اس وقت کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا صبر کرو۔ پانی

کچھ دیر میں رک گیا۔ نہایت تیز دھوپ نکلی اور سخت گرمی پڑی۔ اس کا اثر یہ ہوا چھوٹے میاں کو ہیضہ ہو گیا' بچنے کی امید نہیں رہ گئی۔ سرکار کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے متبسم ہو کر فرمایا "رحیم شاہ! چھوٹے میاں مشیت سے جھگڑا کرتے ہیں' اتنی تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔ ان کو اطلاع کر دو کہ بارش ہونے کے بعد اچھے ہو جائیں گے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے"۔ کئی دن بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور چھوٹے میاں روبہ صحت ہو گئے۔

اگر چشم یقیں داری و در دار محن بینی
بہر سو جلائش جملہ شیخ و برہمن بینی
نہ وحشی خاصیت گردد لقائے روئے مہ سیما
مگر آن دم کہ بگذاری زخود ایں خویش بینی

آپ براہ خشکی ولائے بیت الحرام میں ایک دن معروف سفر تھے۔ ناگاہ گزر آپ کا ایک وادی مینو سواد میں ہوا جو ایک بیابان و صحرائے ریگستان میں واقع تھی۔ ہر طرف سبزہ اگا ہوا سایہ دار درخت اپنی ٹھنڈی ہوا سے راستہ چلنے والوں کو خود بخود اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ ایک چشمہ نہر جاری تھی جس کو دیکھ کر تشنگان مسافرت آبِ حیات کا دھوکہ کھاتے اور بغیر سیراب ہوئے قدم نہ اٹھاتے۔ مختصر یہ کہ اس بیابان میں ایسی بہشت نظر آئی کہ سرکار عالی وقار نے اس روز اپنی منزل وہیں ختم کی اور وہاں کی نیچری دلفریبیاں کچھ ایسی پسند خاطر ہوئیں کہ آپ کا ارادہ دو چار روز وہاں کے قیام کا ہوا۔ دن ڈھل چکا تھا۔ شام ہونے کو ایک پہر سے بھی کم رہ گیا تھا۔ آپ کسلمند تو تھے ہی' ادھر دیکھا سبزہ اور جوئبار ذرا دم لینے کو اسی فرشِ خاک زمرد اساس پر آرام فرما

ہوئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے اپنی غمازی سے اس موقع پر بھی کمی نہ کی اور آخر کار سرکار کو مصروف خواب کرکے ہی چھوڑا۔

"صاحب ملفوظات وارثی" اس موقع پر اپنی تنقید گرامی سے اس طرح ناقل ہے کہ جب آنحضرت مصروفِ خواب تھے تو وہ سہ پہر کا وقت تھا۔ قضارا اسی اثنا میں گزر ایک دیوزاد و از قسم آسیب خبیث جن (یا دیگر بلیات) کا وہاں ہوا جو اپنی خباثت سے باز نہ آیا اور سرکار پر حملہ آور ہونے کو بڑھا۔ خدا کی قدرت کے صدقے، فدا، نثار ہونے کے ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں۔ حقیقت میں آنکھیں ہمیشہ ایسے ہی مناظر کی طالب رہتی ہیں اور معرفت آگاہ قلوب ایسے ہی حقائق و معارف کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ یعنی وہ دیو ملعون بڑھا تو تھا حملہ آوری کو مگر ہو گیا مہمان اور دوست۔ جس قدر سرکار کے قریب ہوتا جاتا تھا اتنی ہی محبت اور عقیدت آپ سے اس کے دل میں نزدیک ہوتی جاتی تھی۔ القصہ جب آپ تک پہنچا تو تبدیل ہیئت کرکے ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی کی شکل میں باادب آپ کے قریب جا پہنچا اور فرط ادب سے پائے مبارک دابنے لگا۔ سرکار جو بظاہر مصروف خواب اور بباطن مشغول اذکار و افکار تھے۔ بیدار ہوئے اور اس کو دیکھ کر مسکرائے اور پائے مبارک کھینچ لئے۔ اسی دوران میں اس نواح کا امیر سیر و تفریح کی غرض سے اس طرف آ نکلا۔ وہاں کی سبزہ زار کیفیت، درختوں کی شادابی، نہر کی روانی جو پسند آئی مع ہمراہیوں کے مصروف تفریح ہوا۔ ناگاہ نظر اس کی سرکار اور اس زن مکار پر پڑی۔ یکایک دونوں کا حسن و جمال دیکھ کر وارفتہ و حیران ہو اور تجسس کناں آپ کے پاس آیا۔ آپ نے بیٹھنے کو ارشاد فرمایا۔ وہ بیٹھا اور دریافت حال کے واسطے سلسلہ کلام شروع کیا۔ آپ نے اپنی

سرگزشت (وطن چھوڑنے، پیادہ پا مسافت طے کرنے، حج کے قصد سے بیت اللہ شریف جانے، اور اس وادی کو خوشگوار پانے و ٹھہرنے کی) مفصل اس امیر سے بیان فرمائی۔ امیر نے سرکار کے حالات معلوم کرکے ازراہ محبت اور عقیدت استدعا کی کہ دو چار روز کے واسطے غریب خانہ کو سرفراز فرمایئے اور دعوت حقیر قبول فرمایئے جس سے ہمیں بھی سعادت دارین حاصل ہو۔ آپ نے اپنی کریم النفسی کی بنا پر اس کی منت و استدعا کو قبول فرمایا اور اسی وقت اس کے ہمراہ تشریف لے چلے۔ وہ زن خوبصورت دیو سیرت بھی ساتھ ہوئی۔ الحاصل امیر نے مکان پر پہنچ کر نہایت خلوص اور عقیدت سے اہتمام آپ کی دعوت و مہمان داری کا کیا اور انواع انواع اغذیہ و اقسام اقسام فواکہات سرکار کی نذر پیش کیے۔ آپ نے حسب عادت بدرجہ اقل خود نوش جاں فرمائے۔ باقی سب تقسیم کر دیئے۔ جب رات ہوئی اور امیر اندر محل کے آرام کرنے چلا گیا اور سب نوکر چاکر مصروف خواب ہو چکے تو وہ زن فرطوت دوبارہ تبدیل ہیئت کرکے بصورت دیوزاد اندر محل کے گئی اور امیر و بیگم کا پلنگ الٹ دیا اور تمام اساسہ امارت کو شکست و ریخت کرنا شروع کیا۔ امیر و بیگم اس کی صورت کو دیکھ کر ایسے خائف ہوئے کہ مارے خوف کے پھر آنکھ نہ کھولی اور اپنے سروں پر قضائے مبرم و بلائے اعظم کو موجود پا کر دم بخود رہ گئے۔

الغرض تمام رات اسی کرب و بے چینی میں بسر ہوئی۔ کبھی وہ ملعون شیشہ و آلات کو توڑتا، کبھی اپنی مہیب آواز سے ان کو ڈراتا رہا۔ جب اسی پریشانی و حیرانی میں آثار صبح نمودار ہوئے تو وہ دیوزاد حسب معمول وہاں سے اس باغ کو پھر چلا گیا۔ یہاں امیر و بیگم بہزار دشواری و حالت تباہ سرکار کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ رات کا جو کچھ ہوا تھا آپ سے بیان کیا۔
آپ نے پہلے تبسم فرمایا۔ پھر ان کو تسکین و تسلی دی اور فرمایا کہ اب وہ کبھی
یہاں نہ آئے گا۔ تم لوگ مطمئن رہو۔ مگر اس تسکین و تسلی پر بھی وہ لوگ کچھ
ایسے خوفزدہ تھے کہ سرکار کو ایک ہفتہ اپنے مکان سے نہ آنے دیا۔ جب بالکل
اطمینان اور بھروسا اس بلائے بے درماں کے نہ آنے سے ہو گیا تو آٹھویں دن
آپ کو مجبوراً رخصت کیا اور ایک گھوڑا صبا رفتار اور زر بے شمار بصد اصرار و
تکرار آپ کی نذر میں پیش کیا۔ آپ نے بہت کچھ عذر و حیلہ اس کے قبول
کرنے میں کیا مگر امیر کے اصرار و منت و خوشامد سے بقدر ضرورت سفر بیت اللہ
کچھ خرچ اور گھوڑا لے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

ایک دفعہ شہر سروئی میں کہ جو اجمیر شریف سے بارہ منازل پر واقع تھا،
گزر کیا۔ وہ شہر ایک کوہستانی سلسلہ میں تھا اور جابجا عمیق نالوں اور دریاؤں
سے وہاں کا راستہ نہایت پرخطر اور ہولناک تھا۔ علاوہ ازیں سحر و ساحری کا چرچا
اس نواح میں ازحد جاری و ساری سنا جاتا تھا۔ ایک دن قیام سرکار کا اس شہر کی
سرا میں ہوا۔ ایک جمعیت کثیر اس سرا میں مقیم تھی۔ منجملہ اس کے ایک
عبدالمجید نامی رہزن بھی اس دن وہیں قیام پذیر ہوا تھا کہ بظاہر صورت ایک
پارسا، مومشین اور بہ سیرت باریاد رہزن تھا۔ مصداق فرد۔

بس جامہ خوش کہ زیر چادر باشد
چوں باز کنی مادر مادر باشد

اس نے رسم نیاز کے حیلہ سے ایک ایک لڈو بالکلف جمیع حاضرین کو
اس رات دیا۔ حتیٰ کہ چالیس لڈو جن پر سحر دم کیا ہوا تھا۔ تمام سرا میں اسی طرح

تقسیم کیے۔ اور خود ایک گوشہ سرا میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ جن لوگوں نے لڈو
پائے تھے فوراً کھا لئے، مگر سرکار نے ایک رومال میں لپیٹ کر رومال کو طاق پر
رکھ دیا۔

القصہ جب نصف رات گزر گئی اور سب مسافران گہری نیند سو رہے تو
اس قزاق نے آواز دی کہ "اے لڈو اٹھو اور تیاری سفر کی کرو"۔ سحر کی تاثیر
سے وہ لڈو مسافروں سے آواز دینے لگے اور جواب میں کلمہ "لبیک" پکار اٹھے۔
اسی طرح وہ لڈو بھی جس کو سرکار نے رومال میں لپیٹ کر طاق پر رکھ دیا تھا۔
بولا۔ سرکار یہ آواز سن کر سخت متعجب و متحیر ہوئے۔ بعد اس کے وہ تمام مسافر
کہ جنہوں نے لڈو کھائے تھے بیدار ہوئے اور اپنے اپنے مرکبوں پر سوار ہو کر
چلے۔ سرکار یہ نیا واقعہ طلسم دیکھ کر پریشان ہوئے اور مشتاق ہوئے کہ دیکھیں
اب کیا تماشا نظر آتا ہے۔ چنانچہ خود اسی گروہ میں شامل و داخل ہو کر انہیں
مسافروں کے ہمراہ چلے۔ ایک حصہ راستہ کا طے ہوا تھا کہ وہ قزاق ٹھہرا اور اس
طرح حکم دیا کہ "اے لڈو اپنی اپنی سواریوں سے زمین کے اوپر اتر آؤ"۔ لڈو
"لبیک" کہتے ہوئے اپنے اپنے کھانے والوں کو گھوڑوں سے نیچے اتار لائے۔
اس وقت اس ساحر نے تلوار نیام سے نکالی اور کہا کہ اے لڈو اس وقت اپنی
اپنی گردن اس تلوار سے کاٹو۔ سب لوگ بے قرار ہو کر تلوار کی طرف
دوڑے۔ سرکار یہ حال دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور جلدی سے تلوار اس ساحر سے
لے کر اس پر حملہ کیا اور اس کو زمین پر گرا کر اس کے سینے پر آ بیٹھے اور خنجر
اس کی گردن پر رکھ دیا۔ اور فرمایا کہ اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو ان سب
مسحورین کو ہوش میں لاؤ ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس وقت وہ

راہزن خوشامد اور منت کرنے لگا اور عرض کی ذرا توقف اور صبر فرمایئے اور مجھ
کو امان دیجئے۔ آپ نے فرمایا جب تک یہ لوگ اپنے ہوش و حواس میں نہ آ
جائیں گے تیری رہائی نہیں ہو سکتی ہے۔ ہاں یہ اقرار کرتا ہوں کہ جب یہ لوگ
بعافیت اپنی اپنی راہ چلے جائیں گے تو تجھے بھی چھوڑ دیا جائے گا اور کچھ ضرر نہ
پہنچے گا۔ اسی طرح وہ ساحر آپ کی خوشامد و منت ایک پہر تک کرتا رہا مگر آپ
نے اس کو نہ چھوڑا اور اس کے سینے پر بدستور بیٹھے رہے۔ جب ایک پہر رات
باقی رہی تو ان لوگوں کو کچھ کچھ ہوش آیا مگر طاقت بات کرنے کی نہ تھی۔ کچھ
وقفہ کے بعد جب وہ لوگ بالکل اپنے ہوش و حواس میں آ گئے تو سرکار کی طرف
متوجہ ہوئے اور اس ساحر کی حالت اور آپ کا اس کے سینہ پر بیٹھنا دریافت
کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ساحر ہے جس نے تم لوگوں کے ہلاک کرنے کو رات
کے وقت لڈو سحر پڑھ کر دیئے تھے۔ باقی تمام کیفیت جو کچھ گزری تھی، بیان
فرمائی۔ جب حقیقت حال ان مسافروں کو اس ساحر کی معلوم ہوئی تو قصد اس
کے مار ڈالنے کا کیا مگر سرکار نے سفارش کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنی
حفاظت میں لیا اور اس رہزن سے نجات دی، لہٰذا تم بھی اس کو نجات دو۔ وہ
ساحر اگر زور ازد میں سرپنجہ شیر کے مقابل تھا مگر اس وقت سرکار پاک کے قبضہ
قدرت میں تھا اور لب تک نہ ہلا سکتا تھا۔

القصہ آپ نے اس کو رہا کیا۔ فی الفور وہ تائب ہو کر اپنے اس ناہنجار
پیشہ سے ہمیشہ کے واسطے کنارہ کشی کی اور حضور کے شرف بیعت سے مشرف
ہوا۔ آپ نے اس کو کچھ تعلیم اور تلقین تصوف کی، اس توجہ سے سمجھا دی کہ
اس جنگل سے پھر باہر قدم نہ نکالا اور تاحیات وہیں ذکر الٰہی اور مشاہدات غیر

متناہی میں مصروف و مشغول رہا۔ اللہ اللہ کیا شان مبارک سراپا خیر و برکت
سرکار وارث پاک کی تھی۔ فرد۔

رہزن را بیک دم ساختی ابدال حق
اے شاہ دین و دنیا برحال عاصی کن کرم

ایک دن حضور صبح ہونے سے کچھ قبل ہی ولولۂ حج بیت اللہ شریف
میں سرگرم مسافرت ہوئے۔ جب آفتاب نکلا۔ تمازت وحدت نے غلبہ پیاس
پیدا کیا، آپ کو سخت تشنگی محسوس ہوئی، لیکن راستہ بیابانی اور ریگستانی تھا۔
آبادی، کنواں، تالات، دریا کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اسی طرح صابر و شاکر
برضائے الٰہی جا رہے تھے کہ دور سے ایک بلندی پر کچھ آبادی نظر آئی۔ آپ
ادھر بڑھے۔ ایک عورت ایک تخت پر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اس کے گرد چند نوکر
چاکر بھی مصروف خدمت دکھائی دیے۔ آپ کو تسکین ہوئی اور خیال کیا کہ
یہاں پانی ضرور ہو گا۔ جب قریب پہنچے تو اس عورت نے بہت خاطرداری سے
آپ کو بٹھایا اور ایک گلاس شربت کو آپ کو تیار کرا کر دیا اور اس کے واسطے
بھی کمال اصرار کیا کہ میرے نوکر کباب بنا رہے ہیں۔ دو چار لقمہ کباب تناول
فرما کر چلے جایئے گا۔ وہ عورت سرگروہ قزاقوں کی تھی اور اسی طرح مہمان
داری کر کے مسافروں کو لوٹا کرتی تھی اور اس کے نوکر چاکر سب ڈاکو رہزن تھے،
مگر آپ کی نظر ذات پاک پروردگار عالم پر ہر وقت تھی۔ کچھ بھی خوف و اندیشہ
دل میں نہ آیا اور آپ اس کے اصرار پر چند ساعت کے واسطے ٹھہر گئے۔
تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک مار خونخوار اس درخت پر نمودار ہوا جس کے
سایہ میں وہ عورت بیٹھی تھی۔ وہ سانپ درخت سے اڑ کر اس عورت کے سر پر

آیا اور اس کی گردن میں لپٹ کر پھر اس کے ہونٹوں سے چپک گیا۔ عورت مارے دہشت کے بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ ایک ہنگامہ واویلا وہاں بلند ہوا اور تمام نوکر و چاکر رونے پیٹنے لگے، مگر وہ سانپ بدستور اس کے گلے میں حمائل تھا۔ سرکار دو سے یہ تماشہ بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اس عورت کا شوہر آپ کے قریب آپ کو فقیر صورت پاکر رونے و چلانے لگا اور اس عورت کے پاس لے گیا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو وہ سانپ اس کے گلے سے نکل کر اڑ گیا اور درخت پر جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ قسم اجنا ایک جن تھا۔ غرض کہ سانپ کے اڑ جانے کے بعد وہ عورت ہوش میں آئی۔ تمام حاضرین آپ کی کرامت کو دیکھ کر دل و جان سے معتقد ہوئے اور وہ عورت و شوہر اور اس کے تمام خویش و اقارب آپ سے بیعت کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ صدق دل سے اس قزاقی کے پیشہ کو ترک کرو اور ہمیشہ کے لئے توبہ کرو تو ہم مرید کریں گے۔ الغرض سب نے قسم کھائی اور نہایت خلوص و صدق سے آپ کی خدمت میں اقرار کیا کہ اب تمام عمر ہم اس پیشہ کو نہ کریں گے۔ چنانچہ آپ نے ان کو مرید کیا اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ اس روز ان تمام لوگوں نے سرکار کی دعوت بڑے تزک و احتشام سے کی اور سرکار کو چار دن مقیم رکھا۔ جب یہ خبر راجہ مان سنگھ والی جوت پور کو پہنچی اور سرکار کی خدمت میں تحائف و نذریں روانہ کیں۔ آپ نے وہ سب مساکین کو تقسیم کرا دیں اور راجہ کو کہلا بھیجا کہ ان لوگوں نے قزاقی سے توبہ کر لی ہے۔ لہٰذا ان کا کچھ وثیقہ مقرر کر دیا جائے۔ راجہ نے ایک معقول نکاسی کا علاقہ سرکار کی سفارش اور تحریک سے ان کو عطا کیا کہ نسلاً بعد نسلاً ان کی اور ان کی اولاد کے قبضہ میں

حضرت حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثی علیہ الرحمۃ

حضرت قبلہ حافظ حاجی قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کا اصلی نام قاضی محمد خورشید عالم المعروف بہ فقیر حافظ قاضی اکمل شاہ وارثیؒ تھا۔ آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ قاضی محمد عطاؒ تھا۔

ولادت باسعادت

آپؒ تقریباً ۱۸۷۲ء میں بمقام موضع ملہو سنگھوئی ضلع جہلم میں ایک معزز خاندان مغل برلاس میں پیدا ہوئے جن کا شجرہ نسب شہزادہ دارا شکوہ بن شاہجہان بادشاہ سے ملتا ہے۔

شجرہ نسب

قاضی خورشید عالم المعروف بہ فقیر قاضی اکمل شاہ وارثیؒ بن قاضی حافظ محمد عطا بن قاضی حافظ رکن عالم بن قاضی حافظ محمد حسنؒ بن قاضی غیاث الدین بن قاضی حفیظ اللہ بن قاضی ہدایت اللہ (نقش بر سینہ لا الہ الا اللہ) بن قاضی عبدالخالق بن قاضی نور محمد بن قاضی فتح محمد بن پسر شکوہ بن دارا شکوہ بن شاہجہان بادشاہ۔

سکھوں کے عہد حکومت میں ریاست سنگھوئی بعہد راجہ لعل سنگھ

قاضی محمد حسن جو علوم دین میں ایک اعلیٰ مقام رکھتے تھے کو علاقے کا قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ قاضی محمد حسنؒ کا آبائی وطن ضلع گجرات تھا۔ وہاں سے بہ سبب قاضی القضاۃ کا عہدہ مقرر ہونے اور اس کے فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لئے نقل مکانی کر کے قصبہ سنگھوئی میں آ کر آباد ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد اپنا ارادہ تبدیل کر کے برکنارہ دریائے جہلم اور سرسبز زرخیز علاقہ دیکھ کر مستقل سکونت قصبہ سنگھوئی کی اختیار کر لی۔

قاضی محمد حسنؒ کے ہاں اللہ تعالیٰ نے قاضی محمد عطاؒ کو پیدا کیا اور جن کے بڑے فرزند ارجمند قاضی خورشید عالم تھے۔ جو بعد میں قاضی اکمل شاہ وارثی رحمتہ اللہ علیہ المعروف بہ حافظ جی کے اعلیٰ اور معزز القابات سے مشہور و معروف ہوئے۔

قاضی محمد عطا (ف - ۱۹۲۴ء) کے برادر اصغر قاضی محمد بقاؒ تھے۔ جن کو عالمِ شباب میں قدم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتفاقیہ زیارت ہو گئی۔ بس اس وقت سے ان کی حالت غیر ہو گئی اور اس دنیا کے تمام قیود و جھنجھٹ سے آزاد ہو گئے اور حالتِ مجذوبیت طاری ہو گئی۔ مگر بعد میں کبھی کبھی محویت کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی۔ جس میں روزہ نماز کی پابندی اور درس و تدریس کا شغل بھی فرماتے۔ لیکن کرم نوازی اور نظرِ کرم اپنے بڑے بھتیجے (خورشید عالمؒ) پر تھی اور اکثر زبان گوہر فشاں سے فرمایا کرتے تھے "خورشید واقعی خورشید ہو گا" اس کے بعد قہقہہ لگاتے ــــ خاندانی بزرگوں سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت بڑے دادا جانؒ اپنے چھوٹے بھائی دادا جی محمد بقاؒ پر بوجہ کسی خاص بات کے خفا ہوئے اور اظہارِ ناراضگی فرمایا۔

اس ناراضگی کا سبب ایک یہ بھی تھا کہ آپؒ حالتِ جذب میں تھے کہ کسی بے عقل اور حالتِ مجذوبیت کو نہ سمجھنے والے کو آپؒ (محمد بقاؒ) سے شکایت پیدا ہوئی تو اس ناسمجھ نے حضرت بڑے دادا صاحبؒ سے شکوہ و شکایت کا اظہار کر دیا۔ بڑے دادا جانؒ نے یہ سن کر طیش و غصہ میں آ کر اپنے دو چار خادموں سے کہہ کر دادا جان قاضی محمد بقاؒ کو لوہے کی زنجیر میں جکڑ کر کیکر کے ایک درخت کے ساتھ مضبوطی سے بندھوا دیا۔ حضرت قبلہ قاضی صاحبؒ خاموشی سے یہ سارے حالات دیکھتے رہے۔ جب خادموں کو یقین ہو گیا کہ اب آپ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ تو آپؒ نے استفسار کیا "بھئی مضبوط کس کر باندھا ہے ناں" خادموں نے جواب دیا اب تو آپؒ اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتے۔ ـــ خورشید عالمؒ صاحب اپنی آنکھوں سے یہ تمام منظر دیکھتے رہے۔ ویسے بھی آپ اس وقت نابالغ تھے۔ ان کی پریشانی دیکھ کر بڑے دادا جانؒ نے انہیں جھڑک دیا اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ جناب قاضی محمد بقاؒ نے خورشید عالمؒ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ میری زنجیر کھولو۔ بڑے دادا جانؒ نے خورشید عالمؒ کو "مذاقاً" فرمایا۔ جاؤ! اور چچا میاں کی اس تکلیف سے خلاصی کراؤ۔ جناب خورشید عالمؒ چچا جانؒ کے قریب آئے تو چچا جان نے حکم دیا کہ میری زنجیر کو پکڑو۔ جونہی آپؒ نے زنجیر کو ہاتھ میں پکڑا۔ قاضی محمد بقاؒ نے زور سے اچھل کر دونوں پاؤں کی ایڑیاں زمین پر ماریں اور ساتھ ہی "حق" کا نعرہ لگایا اور زنجیر کھل کر نیچے زمین پر گر پڑی۔ اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سب ششدر رہ گئے۔ بڑے دادا جانؒ نے دوبارہ سہ بارہ مضبوطی سے بندھوایا کہ شاید باندھنے میں کچھ کسر رہ گئی ہو لیکن ہر بار زنجیر کھل کھل جاتی

تھی۔ آخر کار آپ نے فرمایا "یہ نہیں بندھتا" **واللہ اعلم بالصواب**۔ اس
میں کیا راز تھا کہ قاضی صاحبؒ نے بھائی کو مخاطب ہو کر فرمایا "بھیا! ناراض نہ
ہونا' اب راز کھل چکا ہے اور یہ ناچیز آپ کا برادرِ حقیقی ہی نہیں بلکہ اس کے
علاوہ کچھ اور بھی ہے۔ اب تمہاری اولاد میں ایک فرد ایسا پیدا ہوتا رہے گا جس
کو لباسِ فقر عطا ہوتا رہے گا"۔

اور یہ پیش گوئی واقعی سچ ثابت ہوئی اور آج تک تو یہی کچھ ہو رہا
ہے۔ پھر اس کے بعد کبھی بھی دادا جانؒ اور دوسرے لوگوں کو قاضی محمد بقاؒ سے
شکایت نہ ہوئی۔

تعلیم

خاندانی روایت و دستور کے مطابق حضرت خورشید عالمؒ کی تعلیم کی
ابتداء چار سال چار ماہ اور چار دن کی عمر پر "**بسم اللہ**" حضرت قاضی محمد بقاؒ
کے دستِ حق پرست سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم تھوڑی سی مدت میں آپ نے
مکمل کر لی۔ اس کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس دور کے عالم و
فاضل مولانا عبدالرحیمؒ صاحب کی خانقاہ کھڑی شریف کے دارالعلوم میں داخلہ
لے لیا۔ اس مدرسے سے آپؒ نے درس نظامی اور مروجہ علوم کی تکمیل کی اور
دستار فضیلت حاصل کر کے تعلیم ظاہری سے فارغ ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپؒ
نے کچھ مدت مولانا کرم الدین صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا جو بھین ضلع گجرات
کے رہنے والے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد باطنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ذوقِ

طلب پیدا ہوئی۔ مغل برلاس کا یہ خاندان پہلے سے حضرت سلطان العارفین
سلطان باہو علیہ الرحمتہ کے دستِ حق پرست پر خاندان قادریہ عالیہ میں داخل
تھے۔ اس سلسلہ عالیہ قادریہ میں بہ سبب عشق و محبت ایک معزز مقام رکھتے
تھے اور معاشرے میں بندہ پروری کی وجہ سے مشہور و معروف تھے اور آج بھی
ہے۔ حسب سابق روایت خاندانی حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ صاحب اسی
روایت کو زندہ و جاوید رکھنے کے لئے چند احباب کے ہمراہ (میاں اللہ رکھا اور
مہر اللہ دین نمبردار مرحومین) کی معیت میں آستانہ عالیہ سلطان باہو علیہ الرحمتہ
پر حاضر ہوئے اور اپنے آنے کا مدعا حضرت سائیں نور احمدؒ سے بیان کیا جو اس
وقت مسند سجادگی پر فائز تھے۔ سائیں صاحبؒ نے میاں اللہ رکھا اور مہر اللہ دین
نمبردار مرحومین کی درخواستیں برائے بیعت منظور کر لیں اور وہ سائیں نور احمدؒ
کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوئے مگر قاضی اکمل شاہ وارثیؒ سے
فرمایا "یوں تو تمہارا تمام خاندان اس سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہے اور ہمیں
اس پر فخر ہے مگر ہمارے پاس تمہارا حصہ نہیں ہے بلکہ تمہارا حصہ پورب میں
ہے اور وقت آنے پر ضرور ملے گا۔ گھبراؤ نہیں ایک ہی بات ہے"۔ اور دعائے
خیر فرمائی اور سب کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد آپ کی طبیعت کچھ مضمحل سی رہنے لگی۔ اسی پریشانی میں
آپ نے ۱۸۹۰ء میں فوجی ملازمت اختیار کر لی اور خطیب کے عہدے پر نمبر ۲۲
پلاٹون میں بھرتی ہو گئے۔ دوران ملازمت آپ ڈیرہ اسماعیل خان، جہلم، ملتان،
میرٹھ اور لکھنؤ چھاؤنیوں میں رہے۔ مگر باوجود ملازمت انگریزی کے جو دل میں
عشق کی چنگاری سلگ رہی تھی۔ وہ ابھی تک بجھی نہیں تھی بلکہ ذوقِ طلب

اس کو مزید ہوا دے رہا تھا اور پیرو مرشد کی تلاش و جستجو بھی جاری تھی۔

سرکار عالم پناہ حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ سے ملاقات

۱۸۹۷ء میں حضرت قاضی صاحب کی پلٹن دہلی چھاؤنی میں آئی تو آپ بھی پلٹن کے ہمراہ دہلی آ گئے۔ ایک روز اتفاقاً" دلی شہر میں تشریف لے گئے اور ایک حجام کی دکان پر داڑھی کا خط بنوانے کے لئے ٹھہر گئے۔ اسی اثنا میں آپؒ نے دیکھا کہ شہر میں غیر معمولی گہما گہمی ہے۔ جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہندو مسلم سکھ وغیرہ وغیرہ ایک ہی سمت میں دوڑے جا رہے ہیں۔ آپؒ نے حجام سے اس بھیڑ کے متعلق دریافت فرمایا تو پتہ چلا کہ ایک بہت بڑے بزرگ آج دلّی تشریف لا رہے ہیں اور سب لوگ ان کے استقبال کو ریلوے اسٹیشن کی طرف جا رہے ہیں۔ اس کے بعد کا واقعہ آپ کی زبان گوہر فشاں سے سماعت کریں۔

میرے قلب کو بھی شوق چرایا کہ اس بزرگ کی ضرور زیارت کرنا چاہئے۔ چنانچہ خط بنوایا اور غسل کیا۔ خوشبو لگائی اور پھر ریلوے اسٹیشن کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ ریلوے اسٹیشن پر اس قدر ہجوم تھا کہ مجھے بڑے گیٹ سے دس پندرہ گز پرے ہی کھڑے ہونے کے لئے جگہ ملی۔ مایوسی کے عالم میں سوچا کہ اتنے پرے رہ کے ایسے بڑے بزرگ کی کیا زیارت ہو گی۔ اتنے میں اک شور اٹھا کہ ریل گاڑی آ گئی۔ ہجوم میں ہل چل پیدا ہوئی تو پولیس نے

ہجوم کو پھاٹک سے پرے ہٹانا شروع کر دیا۔ لیکن مجھ پر دیدارِ شوق کا اس قدر غلبہ تھا کہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہٹا اور پولیس کے انتظام سے اس بزرگ کی آمد کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ دیکھا کہ ایک نورانی چہرہ بزرگ، زرد رنگ کا لباس، عجیب طرز کا زیب تن فرمائے ہوئے سیدھے میری طرف چلے آتے ہیں۔ میں دوڑ کر بے ساختہ والہانہ انداز میں قدم بوس ہوا۔ اس بزرگ نے کرم بخشی فرمائی۔ دستِ کرم سے اٹھا کر مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا "پنجابی حافظ آ گئے۔ اچھا پھر ملیں گے"۔ اتنا فرما کر حضور آگے بڑھ گئے اور میں وہیں اسی جگہ حیرت زدہ کھڑا رہ گیا۔ ذرا حواس درست ہوئے تو اردگرد چند اشخاص کے سوا کوئی نہ تھا۔ ان سے استفسار پر معلوم ہوا کہ یہ بزرگ سیدنا حافظ حاجی وارث علی شاہؒ ہیں۔

اس کے بعد میں واپس اپنی پلٹن میں چھاؤنی چلا گیا۔ لیکن شب بھر بے چینی رہی اور ایک تڑپ دل میں رہی کہ اس صورت زیبا کا پھر دیدار ہو۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ تلاش و جستجو میں سرگرداں نکل کھڑا ہوا اور حضور سرکار عالم پناہ سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کی بارگاہ اقدس میں جا پہنچا (بعد میں مجھے حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ سے پتہ چلا کہ سرکار نے فرمایا ہے کہ یہ پنجابی لڑکا ایک دن ہمارا فقیر ہو گا۔ میں قدم بوس ہوا اور استدعا کی کہ حضور سرکار پاک! مجھے بیعت سے مشرف فرمائیں۔ پوچھا کہاں سے ہو۔ میں نے عرض کیا "حضور جہلم کے علاقہ سنگھوئی سے تعلق ہے"۔ فرمایا "اچھا! وہ لعل سنگھ کی سنگھوئی۔ ہم وہاں گئے تھے۔ ایک بزرگ درویش صفت حافظ رکن عالمؒ کے ہاں تین روز تک قیام کیا۔۔۔۔ جناب قاضی اکمل شاہ وارثیؒ نے عرض کیا کہ

وہ ہمارے جد اعلیٰ تھے تو سرکار عالم پناہؒ نے محبت کا اظہار فرماتے ہوئے بیعت سے مشرف فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "اسی صورت کو یاد رکھنا"۔ اس کے بعد شب و روز کی یہ کیفیت ہو گئی کہ اس صورت کے سوا یاد ہی کچھ نہ رہا۔

حیرت نگاہ سے نہ تماشہ کرے کوئی
صورت وہ روبرو سے کہ دیکھا کرے کوئی

کچھ مدت کے بعد آپ کی پلٹن کو لکھنؤ جانے کا آرڈر ملا۔ لکھنؤ میں دو سال تک قیام رہا اور یہ کیفیت بھی دن بدن اپنا جوبن دکھانے لگی۔ جب حالت غیر ہوتی، لکھنؤ سے ریل گاڑی کے ذریعہ بارہ بنکی پہنچے اور وہاں سے کبھی پیدل، کبھی یکہ پر دیویٰ شریف گئے اور سرکارؒ میں حاضری دیتے رہے۔

لکھنؤ میں قیام کے دوران مزاج میں کچھ ایسی تبدیلی آئی کہ دل دنیا کی محبت سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ آخر کار بارگاہ عالم نوازؒ میں حضرت اوگھٹ شاہ وارثی فقیر کے توسط سے احرام کے لئے درخواست پیش کی گئی تو سرکار عالم پناہ سید وارث پاکؒ نے فرمایا کہ "جب تک والدین بقیدِ حیات ہیں ان کی خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ تمہارا حصہ تم کو وقت آنے پر مل جائے گا"۔ چنانچہ آپ ارشادِ پاک کی تکمیل کے لئے کمربستہ ہو گئے اور والدین کی دعاؤں سے جب تک زندہ رہے، مستفیض ہوتے رہے۔

رشتہ ازدواج سے منسلک اور زندگی کے مشاغل

حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کی شادی عالمِ شباب میں حضرت قاضی محمد بقاؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ جن سے تین اولادیں پیدا ہوئیں۔ ان

میں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی اور بیٹا آپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ چھوٹی بیٹی بھی شادی کے بعد فوت ہو گئی اور ان کی بھی ایک اولاد یعنی بیٹی تھی۔ جن کی شادی بریگیڈیئر ظفر السلام سے ہوئی تھی۔

حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ اکثر موج میں آ کر میاں محمد رحمتہ اللہ علیہ کا کلام پڑھا کرتے تھے۔ سنگھوئی میں زیریں محلہ (یہ جگہ دارا کے نام سے مشہور ہے) محلّہ کے ہم عمر جوانوں کے ساتھ موسم گرما کی دوپہر میں نشست فرمایا کرتے تھے اور کبھی کبھی دوست احباب کی فرمائش پر سیف الملوک بھی ترنم سے پڑھتے تھے اور احباب محظوظ ہوتے اور جُھوم جُھوم جاتے تھے۔

فقیر محمد اور میاں عبدالغنی مرحومین بیان کرتے تھے۔ ایک روز حسبِ معمول سیف الملوک پڑھنے کی درخواست پیش کی گئی جیسے ہی آپؒ نے ترنم سے پڑھنا شروع کیا۔ اردگرد کے ماحول پر سکوت چھا گیا۔ اس دوران میں برنے کے ایک درخت سے ایک فاختاؤں کا جوڑا بے خود ہو کر قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے قدموں میں گرا اور اضطرابی حالت میں رقص کناں رہا۔ اسی اثنا میں مسجد سے اذاں کی آواز سنائی دی۔ سب نے "اللہ اکبر" کہا اور قاضی اکمل شاہ وارثیؒ نے پڑھنا بند کر دیا------

اس کے بعد فاختائیں بھی اڑ گئیں۔ آپ اکثر معمول کے مطابق جہلم شہر کی جانب صبح کاذب کے وقت پیدل ہی گھر سے نکل کھڑے ہوتے اور سورة یٰس کی تلاوت کرتے جاتے تھے۔ اس کے بعد ترنم کے ساتھ سیف الملوک پڑھنا شروع کر دیتے۔ خداوند تعالیٰ نے آواز میں سوز اور درد ایسا عطا فرمایا تھا کہ جس بستی سے گزرتے۔ اہلِ دیہہ آپؒ کے پڑھنے سے کافی محظوظ ہوتے

اور سر دھنتے رہتے۔ اکثر ایسا بھی دیکھا گیا تھا کہ اکثر محبین سڑک پر کھڑے منتظر رہتے تھے۔

لباس

آپؒ کا لباس رنگین پوشی سے قبل نہایت قیمتی ہوتا تھا اور ہمیشہ خوش لباس اور شرفائے وقت کا سا لباس زیب تن فرماتے تھے اور اس کا چرچا تمام خاندان میں ہوتا تھا۔ حد سے زیادہ صفائی پسند تھے۔ جب آپ کی احرام پوشی ہو گئی تو اکثر دیکھا تھا کہ آپ کے احرام پر داغ دھبّہ کا نشان تک بھی نہ ہوتا گیا۔

عادات و خصائل

آپ بے حد منکسر المزاج تھے۔ کسی کے خلاف کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا۔ قاضی عزت شاہ وارثی قبلہ نے بیان کیا کہ میں اکثر کئی موقعوں پر بزمانہ طالب علمی بزرگ قاضی اکمل شاہ وارثیؒ سے اہم اور نازک دینی مسائل پر بحث و مباحثہ کرتا رہتا تھا۔ اس دوران میں اکثر ایسا بھی ہو جاتا تھا کہ بحث کرتے کرتے جوش میں آکر اپنی حد سے تجاوز کر جاتا تھا مگر آپؒ ہمیشہ میری اس ادا سے مسکراتے رہتے۔ اور چند الفاظ میں مختصر سا جواب دے کر مجھے مطمئن کر دیتے۔

جب بھی کسی سے ملتے، والہانہ انداز میں ملتے اور تبسم فرماتے رہتے

تھے۔ ہر ایک سے ملنے میں سبقت حاصل کرتے تھے۔ غرض مند حضرات کی غرض بھی پوری کر دیتے تھے۔ کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی بھی مجھ سے ناراض نہ رہے۔

احرام پوشی سے قبل آپ نہایت خوش ذائقہ اور نفیس خوراک استعمال کرتے تھے لیکن بعد از رنگین پوشی ذائقہ اور لذت غذا کو ترک کر دیا۔ اکثر ایسا بھی اتفاقاً ہو گیا، اگر کھانے میں نمک نہیں ہے اور گھر والے نمک کو ڈالنا بھول گئے تو سامنے رکھا ہوا بے نمک کھانا تناول کر لیا۔ جس وقت میزبان نے کھانا کھایا تو پتہ چلا کہ نمک سرے سے ڈالا ہی نہیں گیا تھا۔

آپؒ نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے پیر و مرشد حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کی تقلید کی۔ آپؒ کی تمام اولادیں آپ کی حیات ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئیں لیکن اف تک نہ کی اور تسلیم و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ جب آپ کے صاحبزادے قاضی رشید احمد کا انتقال ہوا تو اس وقت آپؒ بمقام نڈالہ ریاست کپور تھلہ (بھارت پنجاب) میں قیام فرما تھے۔ خط کے ذریعے آپؒ کو انتقال کی خبر دی گئی۔ آپ کو کارڈ مل گیا۔ پڑھا اور بستر کے نیچے رکھ دیا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ تقریباً پندرہ بیس دن کے بعد آپؒ کے خادم فضل الٰہی وارثی نے حجرہ کی صفائی کی تو بستر کے نیچے سے دوسرے کاغذات کے ساتھ یہ کارڈ بھی ملا۔ خادم نے سرسری نظر خط پر ڈالی تو بڑے تعجب سے قاضی صاحبؒ سے تعزیت پیش کی تو آپؒ نے فرمایا "میاں کیا بتاتا"۔ خادم نے عرض کیا حضور اتنا بڑا المیہ اور ہم کو خبر تک نہ کی۔ فرمایا "جس نے پیدا کیا تھا اسی نے بلا لیا ہے۔ اس کے کام میں ہماری کیا مجال کہ دخل اندازی

کریں"۔

خاندان کے بچوں سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ جب جب بھی گھر (سنکھوئی) تشریف لاتے۔ بچوں کے لئے تحفے تحائف ضروری اپنے ساتھ لاتے۔ انہیں گود میں بٹھا لیتے اور ان کے ساتھ بچوں کی سی باتیں کرتے۔

اکثر سیاحی میں رہتے۔ ایک مقام پر کم ہی زیادہ قیام فرماتے۔ آپؒ نے صرف قصبہ نڈالہ ریاست کپور تھلہ میں زیادہ عرصہ گزارا۔ اپنے قصبے سنکھوئی ایک عرصہ کے بعد تشریف لاتے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شب کے لئے تشریف لائے اور شب باشی مسجد میں کی اور واپس تشریف لے جاتے۔ اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ اہل خاندان کے پرزور اصرار پر گھر پر تشریف لاتے لیکن وہ بھی بہت تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرتے۔ اس کے بعد کھائی کوٹلی تشریف لے جاتے۔ وہاں چند دن قیام فرماتے۔ مہراللہ دین کے اصرار پر آپؒ نے اس کے مکاں پر قیام کرنا منظور کر لیا تھا اور اس نے آپؒ کے لئے ایک کمرہ خاص بھی وقف کر دیا تھا جو آج بھی موجود ہے۔ مہراللہ دین ہمیشہ تجرد رہے۔

نڈالہ میں آپؒ کا قیام تقریباً چھتیس برس رہا۔ جس پلٹن میں آپ خطیب تھے۔ اسی پلٹن میں چودھری فضل الٰہی وارثی، چودھری امام الدین وارثی اور چودھری صاحب دین وارثی بھی ملازم تھے۔ چنانچہ یہ تمام برادران طریقت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ بیعت ہو کر سلسلۂ عالیہ وارثیہ میں داخل ہوئے۔ ان ہی کی درخواست پر آپؒ نے نڈالہ میں کافی عرصہ تک قیام فرمایا۔ دورانِ قیام نڈالہ ہزاروں ہندو حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور وارث پاک علیہ الرحمتہ کے منظورِ نظر ہوئے۔

ہر سال باقاعدگی سے سرکار عالم پناہؒ کا عرس منعقد پذیر ہوتا۔ مہاراجہ کپور تھلہ بھی آپؒ سے عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ اہلِ دیہہ نے ریاست کپور تھلہ میں ایک حجرہ آپؒ کے لئے بنوا دیا تھا۔ بعد میں ایک منزل مزید حجرہ کے اوپر تعمیر کروا دی۔ ایک خانقاہ اور مسجد بھی اس کے برابر تعمیر کر دی۔ تاکہ گاؤں والے اس سے علمی اور روحانی پیاس بجھا سکیں۔

شروع شروع میں ایک سکھ ٹھیکیدار موہن سنگھ قاضی اکمل شاہؒ کی سخت مخالفت کرتا تھا اور ہر طرح سے اذیت دینے کی کوشش کرتا تھا مگر چودھری فضل الٰہی وارثی، بابا ابراہیم وارثی، چودھری امام الدین وارثی و غیرھم اور دیگر اہلِ محبت کی کثیر تعداد دیکھ کر برملا کچھ نہ کہہ سکتا تھا لیکن درپردہ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس مسلمان فقیر کو یہاں سے نکالا جائے۔ عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے موقع پر اہلِ دیہہ نڈالہ ایک شاندار جلوس کا اہتمام کرتے تھے جس میں قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کی قیادت ہوتی تھی۔ موہن سنگھ اس موقع پر تمسخر اڑایا کرتا تھا۔ ایک ایسے ہی موقع پر جلوس عید میلاد النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب روانہ ہوا۔ خانقاہ میں موجود بطخوں کے ایک جوڑے کو آپ کو موجود نہ پا کر پتھر مارے اور جس سے ایک مادہ بطخ مر گئی۔ جلوس کی واپسی پر قاضی صاحبؒ نے پوچھا کہ جوڑا بطخ کہاں ہے۔ خدام نے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ موہن سنگھ کے بیٹے نے پتھر مار کر مادہ بطخ کو ہلاک کر دیا ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ "رفاقت توڑ دی"۔ اس کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ چند دن کے بعد موہن سنگھ ٹھیکیدار کی اہلیہ کہیں گم ہو گئی اور کچھ دنوں کے بعد ان کا لڑکا فوت ہو گیا۔ اس وقت موہن سنگھ کی عقل ٹھکانے آ

گئی۔ پھر قاضی اکمل شاہ وارثی” کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی کا طلب گار ہوا اور ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی ۔۔۔۔۔ اور خادم بن گیا۔

موضع سرخ پور کا ایک بہشتی مہنگا نامی ماہ ربیع الاول میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ختم شریف کا انعقاد کرتا تھا اور ہمیشہ قاضی صاحب” کو دعوت دیتا تھا۔ ایک دفعہ سرکار قاضی صاحب” سرخ پور تشریف لے گئے۔

ایک ہندو راجپوت برائے سلام و نیاز قاضی صاحب کے پاس حاضر ہوا اور گزارش کی کہ میرا بیٹا بیمار ہے۔ باوجود علاج معالجہ کے صحت یابی کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ یہ سن کر قاضی صاحب” ان کے گھر تشریف لے گئے اور بیمار بچے پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور صحت کے لئے دعا فرمائی۔ آپ” کی دعا سے چند روز میں بچہ صحت یاب ہو گیا اور آپ” کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ پھر بعد میں دیوئی شریف چلا گیا اور آخر دم تک سرکار وارث پاک” کے قدموں میں سکونت اختیار کرلی۔

ایسا ہی ایک واقعہ اور ہے۔ مہاراجہ کپور تھلہ (سکھ خاندان) کے ایک انگریز دوست مہمان نے تمام علمائے کرام کی دعوت دی تھی کہ اگر علماء میں سے کوئی بھی عالم اپنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج شریف کی حقیقت مجھے سمجھا دیں تو اسلام قبول کرلوں گا۔ علمائے کرام نے بہت زیادہ کوشش کی لیکن انگریز صاحب مطمئن نہ ہوئے۔ آخر کار قاضی صاحب” سے رجوع کیا گیا۔ آپ” نے نڈالہ کی جامع مسجد میں انگریز کی گفتگو سنی اور اس کے بعد قاضی صاحب” نے اپنا زیب تن لباس فقر پاک انگریز پر ڈال دیا۔ جب ان پر سے احرام پاک کا کپڑا علیحدہ کیا گیا تو نہ جانے اس کے کون کون سے مسائل حل

ہو چکے تھے۔

نڈالہ کا ایک عیسائی جو سرکار قاضی صاحب” سے خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا۔ حالانکہ وہ خود ایک مشہور ڈاکو تھا۔ اس کا نام اتا تھا۔ ہر وقت وہ قتل آمادہ رہتا تھا۔ اس کی پشت پناہی بھی ریاست کے بڑے بڑے زمیندار کرتے تھے۔ وہ اپنی ضرورت کے تحت ریل گاڑی میں بغیر ٹکٹ سفر کرتا تھا۔ ایک روز اتفاقاً سرراہ قاضی صاحب سرکار” سے ملاقات ہوئی۔ آنکھیں چار ہوئیں تو اک نگاہ میں کایا پلٹ دی۔ اور سب دنیا کا مال چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو گیا اور آپ کے آستانے پر آکر ہمیشہ کے لئے سر جھکا دیا۔

اور یہ حالت ہو گئی جو لوگ اس کا نام سن کر گھبراتے تھے اور اس پر لعن و تشنیع کرتے تھے۔ جلد ہی قاضی صاحب” کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور داخل سلسلہ عالیہ وارثیہ ہوا۔ پاک و ہند کے بٹوارہ سے چند ہفتے پہلے قاضی صاحب” نے اتا کو آدھا احرام پوش بنا دیا اور فقیری نام "عبداللہ شاہ وارثی" تجویز ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات ہندو مسلم میں ایسی افراتفری مچی کہ عبداللہ شاہ وارثی قاضی صاحب” سے جدا ہو گیا۔ جب قاضی صاحب” بچتے بچاتے پاکستان پہنچے تھے۔ تقریباً دو ماہ بعد عبداللہ شاہ وارثی” بھی پیچھے پیچھے حضرت قاضی اکمل شاہ وارثی” کی خدمت میں پہنچ گیا اور جب تک بقید حیات رہا۔ سرکار قاضی صاحب” کے قدموں سے الگ نہ ہوا ۔۔۔۔۔ قاضی صاحب سرکار” کے وصال کے بعد کچھ لوگوں نے پورا احرام دینے کی کوشش کی تو عبداللہ شاہ وارثی” نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ لباس فقر حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا ہے۔ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ اگر قبلہ قاضی صاحب مجھے حکم دیں اور

مولوی تفضل حسین شاہ وارثی ؒ (جو اس وقت بقید حیات تھے) اپنے ہاتھوں سے احرام پہنائیں تو فقیر اس حکم کے آگے سرِتسلیم خم کرے گا۔

فقیر عبداللہ شاہ وارثی ؒ نے اپنی وفات سے پہلے ایک وصیت کی تھی۔ نمبر ایک جنابِ فقیر قاضی عزت شاہ وارثی نماز جنازہ پڑھائیں اور نمبر دو، قاضی صاحبؒ کے بائیں جانب دفن کریں۔ لہٰذا دونوں وصیتوں کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

۱۹۴۷ء میں قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ نے حج کا ارادہ کرلیا تو اس موقع پر اکثر احباب نے عقیدتاً حج کے اخراجات کی پیشکش کی۔ لیکن آپؒ نے نامنظور کیا۔ بعد میں آپؒ کے برادر اصغر الحاج حکیم قاضی محمد یوسف خاں صوبیدار مرحوم نے حج کے اخراجات کی پیشکش کی۔ آپ نے قبول فرما لیا لیکن رازدارانہ طور پر مولوی محبوب عالم پٹواری مرید جناب میاں محمد صاحب علیہ الرحمتہ (مصنف سیف الملوک) کھڑی شریف کی وساطت سے اپنا آبائی مکان اپنے بڑے بھتیجے مرزا محمد حسین نمبردار چک نمبر ۲۲۹ E-B بوریوالہ کے نام رجسٹری کروا دیا۔ یعنی فقیر نے اس کی پیشکش کو بھی نہیں ٹھکرایا اور اس کے احسان کا بدلہ بھی ادا کر دیا۔ حج کی ادائیگی کے بعد آپ واپسی پر براستہ ہند (دیوئ شریف) بغرض حاضری سرکار وارث پاکؒ کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے اور تقریباً دو ماہ وہاں پر قیام رہا۔ دیوئ شریف کے قیام کے دوران ایک واقعہ سرکاری حجام مسمی للن نے قاضی عزت شاہ وارثی کو سنایا کہ سرکار سیدنا وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کے زمانہ میں جناب قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ کا قیام دیوئ شریف میں تھا۔ سرکاری حجام للن نے بیان کیا کہ میرے مکان کے متصل مکان میں ایک بڑی بی (مائی صاحبہ) رہتی تھی جس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا۔ اس بڑی

بی صاحبہ پر قدرت کی طرف سے ایسی افتاد پڑی کہ اس کا اکلوتا بیٹا فوت ہوگیا۔ بڑی بی صاحبہ سخت پریشان تھی۔ اسی اثنا میں قاضی اکمل شاہ وارثی ؒ نمازِ فجر کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لے جا رہے تھے کہ سرِراہ بڑی بی صاحبہ کا مکان تھا۔ مکان کے اندر سے آہ و زاری کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آپ کے لئے بڑی بی صاحبہ کی پریشانی ناقابلِ برداشت تھی۔ مکان کے اندر تشریف لے گئے اور مردہ لڑکے کا چہرہ دیکھا اور بے ساختہ کہہ دیا ---- ابھی تو لڑکا زندہ ہے ---- لڑکا اسی وقت زندہ ہو کر اٹھ بیٹھا۔ آپ فوراً مکان سے نکل گئے اور بعد از ادائیگی نمازِ فجر سرکار وارث پاک علیہ الرحمتہ میں حاضری دینے کے لئے چلے گئے تو سرکارِ عالم پناہ علیہ الرحمتہ نے دیکھتے ہی فرمایا "پنجابی حافظ! خدا کی رضا میں آئندہ دخل نہ دینا اور اب دیوئ میں ہماری زندگی میں نہ آنا، تیرہ سال جنگل کی سیاحت کرنا اور کسی بستی میں نہ جانا"۔ حضرت قاضی صاحبؒ پر ان ارشاداتِ عالیہ سے حالتِ جذب طاری ہو گئی اور آپؒ اسی وقت جنگل کی سیاحت کو نکل گئے۔ تیرہ سال کے بعد جب آپ دیوئ شریف تکمیلِ ارشادات کے پہنچے تو اس وقت سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ علیل تھے اور آپؒ پر انتہائی نقاہت تھی لیکن حضرت قاضی صاحبؒ کا حصہ محفوظ تھا۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے وصال کے وقت حضرت قاضی صاحبؒ حاضر تھے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا وصال یکم صفر ۱۳۲۳ھ بہ مطابق اپریل ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ اس وقت قاضی صاحبؒ پر جذب کی حالت طاری تھی۔ اسی حالت میں سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کو لحد میں رکھا گیا۔ پہلی جمعرات کے قل شریف پر آپؒ کی کیفیت میں قدرے کمی ہوئی تو حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثی ؒ نے امانت احرام پاک سرکار

عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا زیب تن فرمایا ہوا قاضی صاحبؒ کے سپرد کیا کہ "یہ آپؒ کے لئے سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ نے بطور امانت محفوظ رکھا ہوا تھا"۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد قاضی صاحبؒ نے بیالیس سال کی طویل مدت نڈالہ پیران کلیر شریف انبالہ مقامات پر قیام فرمایا۔

۱۹۴۷ء میں ادائیگی حج کے بعد جب آپؒ واپس دیوئی شریف پہنچے تو بٹوارہ پاک و ہند پر ہندو مسلم فسادات شروع ہو چکے تھے۔ آپؒ دیوئی شریف سے انبالہ اور نڈالہ تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں تقسیم کا اعلان ہو گیا اور ہندو مسلم فسادات کی آگ مزید بھڑک اٹھی۔ ریاست کپور تھلہ سے مسلمان مہاجرین کے قافلے کیمپوں میں جمع ہونے لگے۔ آپؒ بھی ایک قافلہ کے ہمراہ مذکورہ ریاست سے جالندھر پہنچے۔ وہاں سے جس ریل گاڑی پر پاکستان کے لئے سوار ہوئے اس کے اندر ڈھائی تین ہزار مہاجرین سوار تھے۔ ریل گاڑی جہاں جہاں سٹاپ کرتی، ہندو سکھ ڈوگرے اور مرہٹے دھاوا بول دیتے اور مہاجرین کو لوٹتے اور قتل کرنا شروع کر دیتے۔ بعض سکھوں کا قاضی صاحبؒ سے بھی سامنا ہوا لیکن یہ کہہ کر چھوڑ دیتے کہ یہ تو کوئی سادھو سنت ہے۔ اسی طرح یہ ٹرین لٹتی لٹتی سات روز کے بعد لاہور کے پلیٹ فارم نمبر ۲ پر آ کر رُکی۔ ایک دفعہ قاضی صاحبؒ نے فرمایا "تمام گاڑی میں صرف گیارہ زندہ لاشیں تھیں، جن میں ایک فقیر یہ بھی تھا"۔ فرمایا اس سفر میں ہم مکمل طور پر اللہ کے مہمان تھے۔ کچھ کھایا پیا نہیں۔ لاہور پہنچے تو ہم سیٹ پر حیرت زدہ بیٹھے تھے اور ہمارا احرام خون سے تر تھا اور چاروں طرف خوف اور کٹی ہوئی لاشیں تھیں۔

قصبہ نڈالہ سے روانگی سے قبل دیوئی شریف چلے جانے کا خیال تھا مگر

اسی شب سرکار عالم پناہؒ علیہ الرحمتہ نے فرما دیا کہ "حافظ پنجابی! آپؒ کو الگ ملک دے دیا ہے۔ پاکستان چلے جاؤ۔ ہم وہاں بھی موجود ہوں گے، فرق نہیں پاؤ گے"۔ اسی ارشاد عالی پر آپؒ نے پاکستان آنے کا ارادہ کر لیا۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ واقعی تمام ریل گاڑی کٹ گئی۔ لاہور پہنچ کر آپؒ سیدھے نئی انار کلی پیسہ اخبار سٹریٹ میں قمرالدین وارثی کے ہاں تشریف لے گئے۔ یہاں پر میاں محبت شاہ وارثیؒ "حضرت قاضی صاحبؒ کے لئے تقسیم سے پہلے ایک نشست گاہ وارثیہ بنوائی گئی تھی، قیام فرمایا کرتے تھے۔ یہاں پر آ کر پتہ چلا کہ سراج دین وارثی المعروف بہ شفقت شاہ وارثی قبلہ ابر شاہ وارثیؒ "کا تمام خاندان بخیریت لاہور پہنچ چکا ہے۔ صرف قاضی صاحبؒ کا انتظار تھا، سو آپؒ بھی تشریف لے آئے ہیں۔ گھر پہنچے تو اس وقت آپؒ استراحت فرما رہے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو راستے کا سفر اور تمام حالات بتائے اور ٹھنڈی آہ بھر کر فرمایا کہ سرکار عالم پناہؒ ہمارے ساتھ ساتھ رہے۔ ہم نے حالات دیکھ کر عرض کر دی تھی کہ سرکارؒ موت کی یہ جگہ تو ٹھیک نہیں۔ لہٰذا سرکار پاکؒ نے لاج رکھ لی۔ کپور تھلہ میں آپؒ مائی صندل وارثیہ کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس تمام واقعہ کی تصدیق محمد بوٹا نمبردار چک 133/6-R ریاست بہاول نگر نے کی۔ جو کپور تھلہ سے لاہور تک ہمسفر رہا اور مائی صندل وارثیہ نے کی۔ جن کا وصال فیصل آباد میں ہوا۔

اس کے بعد آپؒ نے کسی مقام پر مستقل قیام نہیں فرمایا اور وصال تک آپؒ سیاحت میں رہے۔

حیرتؒ نگاہ یار نے نہ جانے کیا کیا

حیراں ہوں اب رہوں کہاں جاؤں کدھر کو میں

نہ تو اپنے گھر میں قرار ہے نہ تیری گلی میں قیام ہے
تیری زلف و رخ کا فریفتہ کہیں صبح ہے کہیں شام ہے
(میاں بیدم شاہ وارثیؒ)

راولپنڈی میں قیام

قاضی صاحبؒ جب راولپنڈی تشریف لائے تو صدر لال کرتی میں مائی صندل وارثیہ کے پاس قیام فرماتے تھے۔ دوران قیام شہر میں مقیم تمام محبان وارثیہ سے میل ملاپ رکھتے تھے اور کئی کئی روز تک روحانی محفلیں ہوتی رہتی تھیں۔ آج بھی وارثی ایسوسی ایشن بڑی لگن سے سلسلہ وارثیہ کی تبلیغ و اشاعت جاری رکھے ہوئے ہے۔

اسی طرح چھپر شریف داخلی چنگا بنگیال میں حضرت قاضی صاحبؒ گاہے بگاہے تشریف لاتے تھے۔ مولوی اکبر صاحب سکنہ موہڑہ نگڑیال کی حضرت قاضی صاحبؒ سے دیرینہ رفاقت تھی۔ انہیں کے توسط سے حافظ عبدالکریم صاحب نوشاہی قادری سجادہ نشیں نورد صلہ شریف سے بھی رابطہ بڑھا اور تاحیات جاری رہا۔

قاضی عزت شاہ وارثیؒ سے آخری ملاقات کا بیان

فروری ۱۹۴۸ء میں مجھے (قاضی عزت شاہ وارثی) کو اطلاع ملی کہ قاضی

اکمل شاہ وارثیؒ راولپنڈی میں خاں صاحب نواب خاں وارثی کے ہاں مقیم ہیں لہٰذا میں آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ دو چار روز ہمارے ہاں بھی چل کر قیام فرمائیں۔ چنانچہ فقیر کی درخواست قبول و منظور ہوئی۔ اور آپؒ فقیر کے ہمراہ ڈھوک قاضی تخت پڑی تحصیل راولپنڈی تشریف لائے۔ بعد دوپہر آپؒ غریب خانہ پر پہنچے۔ جد امجد حضرت قاضی غلام محی الدینؒ المعروف بہ مقبول بارگاہ غوثیہؒ سے والہانہ انداز میں ملے اور بابا جیؒ سے فقیر کو ہدایت و ارشاد فرمایا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کا زیادہ خیال رکھیں۔

اسی شام بابا کریم بخش مرحوم اور مائی فیض بی بی نے پنڈ جھاٹلہ سے حاضر ہو کر دست بستہ گزارش کی کہ انہیں بھی خدمت کا موقع مہیا کیا جائے اور ہمارے گاؤں پنڈ جھاٹلہ تشریف لائیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ ابھی تک ہم یہیں ٹھہرے ہوئے ہیں، دیکھا جائے گا۔

ابھی فقیر (عزت شاہ وارثی) کے پاس دو روز ہی گزرے تھے کہ حافظ عبدالکریم نوشاہی نور و صلہ اور میاں محمد زمان وارثی تشریف لائے اور قاضی صاحبؒ سے چھپر شریف ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ زاہد کی اجازت کے بغیر ہم نہیں جا سکتے۔ جب سکول سے چھٹی کر کے آئے گا تو آپ ان سے کہنا۔ چنانچہ میں جب سکول سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو سہ پہر کی چائے پر فقیر کا انتظار ہو رہا تھا۔ چائے پینے کے لئے جا کر بیٹھا تو قاضی صاحبؒ نے مجھ سے اجازت چاہی تو فقیر نے عرض کیا کہ ابھی تو ہم لوگوں کا شوق بھی پورا نہیں ہوا۔ دل نہیں چاہتا کہ آپ جلد ہی تشریف لے جائیں۔

ساجن بھکیا منگدے میرے وہڑے وچہ کھلو
میں کس مکھ بدھ آکھاں کہ ساجن وِدیا ہو
ساجن پریت لگا کیکے دُور دیس جن جاؤ
بسو ہماری ناگری ہم مانگیں تم کھاؤ

لیکن حضرت قاضی صاحبؒ نے فرمایا "دیکھو! بیٹے حافظ صاحب نابینا ہیں۔ محض خلوص و محبت کی وجہ سے پندرہ کوس کا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں۔ محبت کا تقاضا ہے کہ فقیران کی چاہت کا لحاظ رکھے"۔

چنانچہ فقیر (عزت شاہ وارثیؒ) نے بھی بغیر کسی عذر کے ہتھیار ڈال دیئے۔ چنانچہ اگلے دن اتوار کو صبح ناشتہ کرنے کے بعد تشریف لے جانے کی تیاری کر لی اور مجھے کیا پتہ تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ لیکن طبیعت بے حد بیقرار تھی اور کسی کل چین نہیں پڑتا تھا۔ اس وقت قاضی صاحبؒ قبلہ کی صحت قابل رشک تھی البتہ پیشاب کی قدرے تکلیف تھی۔ فقیر کا دل چاہتا تھا کہ چند روز اپنے پاس رکھیں اور ان کا مکمل علاج کروں۔

اس تکلیف کے لئے میں کشتہ زمرد اور معجون زمرعونی کی چند خوراکیں بنا کر قاضی صاحبؒ کی نذر کیں۔ چونکہ حافظ صاحبؒ اپنے ساتھ گھوڑی لائے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ نہ تو قاضی صاحب اور نہ ہی حافظ صاحب گھوڑی پر سوار ہوئے، لہٰذا پیدل ہی روانگی ہو گئی۔ میں بھی اپنی سائیکل لے کر پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جہاں سے بھی اذنِ مراجعت ہو، سائیکل پر سوار ہو کر واپس آ جاؤں گا۔

ڈھول عنایت کے قریب سید حسین شاہؒ کا مزار ہے۔ وہاں پر حضرت

قاضی صاحبؒ نے حاضری دی اور پھر مجھے واپس جانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ مگر میں نے مزید آگے جانے کے لئے اصرار کیا۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ اچھا چلو۔ اس کے بعد چلتے چلتے بگا شیخاں کے متصل شاہ حقاؒ کی خانقاہ تک پہنچ گئے۔ جہاں سے پھر قاضی صاحبؒ نے حکم فرمایا کہ واپس چلے جاؤ۔ لیکن دل جدا ہونے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ تھوڑا اور آگے بڑھے۔ اس تمام راستے میں سرکار عالم پناہؒ کا ذکرِ خیر ہوتا رہا اور ہر چند منٹ کے بعد آہ سرد کے ساتھ مندرجہ ذیل شعر پڑھتے رہے۔

وارثاؒ بنما جمالِ خویشتن
رحم کن برما بحق پنجتنؒ

سنگھوئی کی وجہ تسمیہ! قبل از عہد مسلمانی صرف قوم سنگھا یہاں پر آباد تھی۔ قوم سنگھا وہ قوم ہے جو پانی کا پتہ قبل از کنواں کھودنے کے دیتے ہیں اور واقعی ایسا ہوتا ہے۔ کنواں کھودنے سے وہاں پانی نکل آتا ہے۔ پھر مسلمانوں کے دور حکومت میں "گکھر" کھتری اور برہمن وغیرہ اقوام بھی دریائے جہلم کے کنارے خوش کن آب و ہوا اور پانی وافر دیکھ کر آباد ہو گئیں تھیں۔ راجہ لعل سنگھ وزیر اعظم سلطنت خالصہ اسی قصبے کا رہنے والا تھا۔ حویلی اور باغیچہ اسی کے بنائے ہوئے ہیں اور ایک سرائے پختہ جانب غرب سڑک پنڈ دادن خاں پر بنائی اسی کی ہے۔ زیادہ تر یہاں اقوام "گکھر" بکھیال آباد ہیں۔

بعد میں فقیر اوگھٹ شاہ وارثیؒ نے بھی اس وقعہ کی تصدیق فرمائی تھی کہ سرکار عالم پناہ وارث پاکؒ سنگھوئی ضلع جہلم تشریف لے گئے تھے۔ قصبہ سے دریا کی طرف ایک باغ تھا۔ اس میں ایک درخت املتاس کے نیچے آپؒ نے قیام فرمایا اور تین روز وہاں رہے۔ دن کو حافظ رکن عالمؒ کے ہاں قیام فرماتے اور شب باشی کے لئے واپس باغ میں تشریف لے جاتے۔ جناب اوگھٹ شاہ وارثیؒ نے ہمارے مکان کا نقشہ حدود اربعہ بھی بتا دیا تھا کہ اونچائی پر ایک مکان تھا، پتھر کی سیڑھیاں تھیں اور اس کے باہر ایک بڑی بیٹھک تھی۔

(روایت - فقیر عزت شاہ وارثیؒ)

کلیجہ تھام کے ہم دیکھتے ہیں ایک نظر
وہ دُور چہرے سے اپنے نقاب کرتے ہیں

عمر بھر یوں دیکھنے کو دور رہے
پر ہم اُن کے وہ ہمارے ہو رہے

جی ٹی روڈ چاہ بنگلہ سالی کے پاس گزر کر آپؒ توپ مانکیالہ تک پہنچ گئے۔ تقریباً ایک میل آگے جا کر ایسا راستہ آ گیا جہاں بڑے بڑے ٹیلے اور کھڈیں تھیں، جہاں پر سائیکل لے کر گزرنا محال تھا۔ اس لئے بامر مجبوری اذنِ مراجعت پر عمل کرنا پڑا۔ باچشم تر حضرت قاضی صاحبؒ کو خدا حافظ کہا اور آنکھوں سے جدا ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ حضرت قاضی صاحبؒ نے ایک ٹیلے کی اوٹ میں جاتے جاتے اشارہ فرمایا واپس جاؤ۔ عجیب کیفیاتی انداز اور حیرت زدہ صورت پیدا ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے تشریف لے جانے کے بعد موسم سرما کی برسات شروع ہو گئی تھی اور خدا کی قدرت مسلسل تیرہ روز تک پانی برستا رہا۔

ایک دفعہ حضرت کے چھوٹے بھائی نے نواب خاں وارثی سے پوچھا کہ تم بھی کسی کے مرید ہو تو انہوں نے اپنی بیعت کا واقعہ بیان کیا کہ جبل پور (بھارت) میں ایک ٹرین کے سفر کے دوران میں اتفاقاً قاضی اکمل شاہ وارثیؒ سے ملاقات ہوئی۔ میں آپ کی شخصیت سے ایسا متاثر ہوا اور عرض کیا کہ

جناب میرے ساتھ جبل پور تشریف لے چلیں تو آپؒ نے منظور کر لیا اور میرے ساتھ جبل پور تشریف لے گئے۔ ایک دن معمول کے مطابق سیر کو نکلے تو سرِ راہ ایک مندر کا کھلا دروازہ دیکھ کر اندر جا گھسے۔ اندر جا کر دیکھا کہ پنڈت بھگوان کی پرارتھنا اور پوجا پاٹ میں مصروف ہے۔ پنڈت نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک مسلمان فقیر سامنے کھڑا ہے۔ اسی اثنا میں اور بھی کئی پنڈت جمع ہو گئے اور قاضی صاحبؒ سے کہنے لگے کہ آپ یہاں بغیر اجازت کیوں چلے آئے۔ اس سوال پر قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم یہاں کیا کر رہے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اپنے بھگوان کی پوجا پاٹ۔ اس کے بعد قاضی صاحبؒ نے سوال کیا کہ آیا تمہارا بھگوان گفتگو بھی کر سکتا ہے اور اگر بھگوان بول سکتا تو یہ سمجھیں تمہارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندو پنڈتوں نے بیک زبان ہو کر کہا اس معاملہ میں ہم آپ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر قاضی صاحبؒ اپنے ڈیرے پر واپس تشریف لے گئے اور ہندو پنڈت بھی آپ کو تلاش کرتے کرتے ڈیرے پر پہنچ گئے اور کہا کہ آپؒ نے ہمارے مذہب کی توہین کی ہے۔ اس معاملہ میں آپؒ اتوار کے روز ہمارے ساتھ مناظرہ کریں۔ کہا اور چلے گئے۔ لہٰذا اتوار کے روز فوجی چھاؤنی کے پریڈ گراؤنڈ میں تماشا دیکھنے کے لئے لوگ اکٹھے ہو گئے اور حضرت قاضی صاحبؒ بھی تشریف لے گئے اور بہت سے پنڈت بھی آ گئے اور اپنے ساتھ ایک بُت بھی اٹھائے ہوئے تھے۔ جب وہ میدان میں اکٹھے ہوئے تو قاضی صاحبؒ نے بیک زبان ہو کر کہا کہ آپ اس بُت سے گفتگو کریں۔ قاضی صاحبؒ نے فرمایا کہ پنڈت جی! یہ بُت تم سب کا بھگوان ایشور

ہے اس لئے پہلے تم اس کے ساتھ گفتگو کرو۔ پنڈتوں نے بہت منتر پڑھے لیکن بت صاحب بولنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ آخر کار پنڈتوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بعد میں قاضی صاحبؒ نے بُت سے فرمایا کہ میرے اللہ کے حکم سے اٹھ کر کھڑا ہو جا۔ تماشائی یہ منظر دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے۔ قاضی صاحبؒ قبلہ وہاں سے چپکے سے نکل کھڑے ہوئے تو بت بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ آپؒ نے پیچھے مڑ کر بت کے ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا تم جھوٹے ہو اور بت ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ اس واقعہ سے متاثر ہو کر ارد گرد کے لوگ کچھ زیادہ ہی زیر سایہ رہنے لگے۔

اس واقعہ کو سن کر حضرت قاضی صاحبؒ کے چھوٹے بھائی صوبیدار محمد یوسف صاحب نے کہا کہ یہ فقیر شخصیت میرے بڑے بھائی ہیں۔

ایک روایت ہے جب قاضی صاحبؒ سلطان العارفین سرکار باہو رحمتہ اللہ کے مزار اقدس کے سجادہ نشین سائیں نور محمدؒ صاحب سے بیعت سے مشرف نہ ہو سکے تو پھر اس کے بعد حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ جو کہ موضع عالم پور کوٹلہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب بھارت) کے پاس تشریف لے گئے۔ مولانا غلام رسول صاحب مصنف تفسیر یوسف علیہ الرحمہ (احسن القصص) بھی تھے۔ شاید حضرت قاضی صاحبؒ کا خیال آپؒ سے بیعت سے مشرف ہونے کا ہو۔ مگر یہ روایت مولوی محبوب علی پٹواری قادری قلندری سے ہے (واللہ علم بالصوب)۔ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ

مولوی غلام رسول صاحبؒ کا کلام تفسیرِ یوسفؑ بھی بہت زیادہ ترنّم سے پڑھا کرتے تھے۔

آخری وصیت

وصال سے ایک دن قبل اہل چھپر شریف نے حافظ عبدالکریم قادری نوشاہیؒ۔ جو بیماری کے وقت آپ کے پاس موجود تھے اور خدمت کرتے تھے سے گزارش کی آپ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کریں کہ بعد از وصال مزار اقدس کس جگہ تعمیر کیا جائے۔ لہٰذا جب آپؒ کی خدمت بابرکت میں مزار کے متعلق درخواست پیش ہوئی تو آپؒ نے فرمایا کہ مجھے بعد از وصال قصبہ دیوی شریف ضلع بارہ بنکی یوپی بھارت حضرت وارث عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے دربار میں پہنچا دیں تو اس جواب پر دوبارہ حافظ عبدالکریم نے استفسار کیا کہ حضرت صاحب دیوی شریف تو بھارت میں ہے وہاں پر آپؒ کو لے جانا ایک بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ تو قاضی صاحبؒ نے دوبارہ زبان گوہر فشاں سے فرمایا "اونہہ ہندوستان میں ہے، ہندوستان میں رہ گیا"۔ ایسا نہیں ہو گا ہندوستان میں نہیں رہے گا، کبھی پاکستان بنے گا۔ اس کے بعد حافظ عبدالکریم نے استفسار کیا کہ آپؒ کی خدمت میں دوبارہ گزارش کرتا ہوں کہ حضورؒ اس کے علاوہ کوئی اور جگہ تجویز فرما دیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا "جہاں ہم اور آپ ملتے رہیں"۔ حافظ عبدالکریمؒ صاحب نے پھر دریافت کیا۔ اگر سنگھوئی والے آ جائیں تو پھر قاضی صاحبؒ نے فرمایا "کہ ان کا بھی حق ہے" اور میرے مزار کی

وہ درویش انتظام و خدمت کرے جس میں قوتِ برداشت ہو چھپر شریف کے
قیام کے دوران قاضی صاحبؒ کو پیشاب کی مزید تکلیف ہو گئی اور اس کے
ساتھ ہی مرض اختلاجِ قلب بھی شروع ہو گیا۔ خدام نے ہر علاج کے لئے
کوششیں کیں مگر آپؒ نے علاج معالجے کو منظور نہ فرمایا اور نہ ہی قبول کیا اور
مسلسل یہی فرماتے رہے کہ علاج اب بیکار ہے۔

مندرجہ بالا حالات سات مارچ کے ہیں۔ اس کے بعد آٹھ مارچ کو
مزاج اقدس صبح کے وقت زیادہ تر اچھا نہیں تھا مگر اس کے باوجود آخر شب چار
بج کر پندرہ منٹ پر سرکار عالم پناہ حضرت وارث علیہ الرحمتہ کا قل شریف پڑھا
گیا اور سلام و نیاز پیش کیا گیا۔ سلام و نیاز کا نذرانہ نہایت عقیدت و محبت سوز
و گداز کے انداز میں پیش ہوا۔ جن کی سماعت سے حاضرین محفل میں ہر آنکھ
اشکبار ہوئی اور رقّت کی کیفیاتی صورتیں پیدا ہو گئیں۔

لہٰذا تمام دن بھی آپؒ کی طبیعت زیادہ تر خراب ہی رہی مگر شام کے
وقت اور زیادہ طبیعت خراب ہو گئی۔ تکلیف کا اظہار صرف چہرہ اقدس سے
ہوتا تھا۔ اسی حالتِ کرب میں آپؒ نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ ”سرکار
عالم پناہ علیہ الرحمتہ تشریف لا رہے ہیں“ اور بستر سے اٹھنے کی کوشش کی مگر
کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔ جناب حکیم عبدالرحیم صاحب نے
حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا مرقع شریف منگوا کر چہرہ اقدس کے سامنے
پیش کیا۔ مرقع شریف کی زیارت فرمائی اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

---انا للہ وانا علیہ راجعون

حضرت قاضی صاحبؒ کے وصال کے وقت موسم سرما کی برسات
شروع تھی۔ چھپر شریف کے محبین حضرت قاضیؒ صاحب کے خاندانی لواحقین
سے جان پہچان بھی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے ایسے میں حضرت قاضی صاحبؒ
کے چھوٹے بھائی کے پاس سنگھوئی میں برستے پانی میں ایک شخص کو روانہ کر
دیا۔ سنگھوئی میں وصال کی اطلاع ملتے ہی حضرت قاضی صاحبؒ کے بھتیجے قاضی
عزیز احمد المعروف بہ فقیر عزت شاہ وارثی مہراللہ دین نمبردار اور بہت سے آپؒ
سے عقیدت رکھنے والے نالہ کہان اور نالہ کانسی تیر کر بڑی مشکلوں سے چھپر
شریف پہنچے اور نماز جنازہ میں شرکت ہو گئی۔ حضرت قاضی صاحبؒ کو چھپر
شریف کے ایک پرانے قبرستان میں امانتاً“ دفن کر دیا گیا۔ آئندہ پیش آنے
والے حالات اور وصیت کے مطابق صوبیدار محمد اکرم وارثیؒ کی مرضی پر چھوڑ
دیا گیا۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحبؒ کے چہلم پر والد مکرم اور ہم (قاضی عزت
شاہ وارثی) تمام برادراں کے ہمراہ چھپر شریف پہنچے اور راقم الحروف (قاضی
عزت شاہ وارثی) کی رائے تھی کہ حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے جسد
مبارک کو سنگھوئی لے جائیں اور حضرت صاحبؒ کا مزار اقدس وہاں تعمیر ہو گا۔

جب قاضی صاحبؒ کے قل شریف کا انعقاد ہوا۔ قل شریف کی محفل
میں حضرت فقیر حیرت شاہ وارثیؒ بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا ”اے اے یہ
کیا ہو رہا ہے“۔ فقیر حیرت شاہ وارثیؒ نے مزید فرمایا کہ ”فقیر جہاں وصال کرتا
ہے اسی جگہ پر انہیں سپرد خاک کیا جاتا ہے۔ انہیں کون لے جا سکتا ہے“۔
آپؒ کا فرمان حرفِ آخر تھا۔ چہلم شریف بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ انتظام

میاں فقیر عبداللہؒ وارثی اور اہل دیہہ چھپر شریف کا تھا۔ آئندہ حالات کے پیش نظر ایک کمیٹی کی طرح و بنیاد رکھی گئی اور سالانہ عرس پاک کے لئے سات اور آٹھ مارچ کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔

مزارِ اقدس کی تعمیر و بنیاد اور انتظام

چھپر شریف تحصیل و ضلع گوجر خاں میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ آب و ہوا نہایت گرم مرطوب اور زمین زرخیز اور پیداوار دینے والی ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت خلیق اور ملنسار ہیں۔ عرس کے موقع پر تمام گاؤں خادم بن کر وارثی مہمانوں کی خدمت کو اپنے لئے باعث فخر محسوس کرتا ہے۔ اردگرد کا علاقہ حضرت قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بہت زیادہ ارادتمند ہے۔ بلکہ اکثر لوگ داخل سلسلۂ وارثیہ ہیں۔ یہاں پر ایک وارثی مدرسہ کا بھی انتظام ہے جس میں اہل دیہہ کے بچگان دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

سب سے پہلے چھپر شریف کے باشی اور معزز صوبیدار محمد اکرم مرحوم جو حضرت قاضی اکمل شاہ وارثیؒ کے بچپن ہی سے عقیدت مند تھے۔ مزار اقدس کے منتظم ٹھہرے اور ہر ایک آنے والے عقیدت مند کو جو مزارِ اقدس پر حاضری دینے آتے تھا کے خورد و نوش اور شب باشی کا انتظام کرتا تھا اور حضرت صاحب کے ماہانہ اور سالانہ اعرائس پاک وارثیہ کا اہتمام و انتظام بھی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک برادرِ طریقت و نسبت مسمی راجہ عبدالقیوم مرحوم بھی ان کے ساتھ قدمے سخنے اور دامے درمے تعاون کرتے تھے۔ قاضی اکمل شاہ وارثیؒ نے اس گاؤں میں اپنی حیات کے چند سال گزارے تھے مگر

ان چند سالوں میں اہل دیہہ کو خلوص و محبت کا درس دے گئے تھے اور ان میں ایک دوسرے کے لئے ہمدردیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس وقت کے لوگ بھی ایسے غریب پرور فقیروں کے قدموں میں بیٹھنا بھی اپنے لئے گناہوں کا کفارہ سمجھتے تھے۔ بقول

؏ صحبت صالح ترا صالح کند

لوگوں کی بھی چاہت ہوتی ہے کہ کوئی نیک خو بزرگ شخصیت ان کی رہنمائی کرے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص کرم ہوتا ہے جب کسی بستی میں درویش کے قدوم مبارک آئیں۔ ہمارے حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا ایک کھلا ہوا فرمان ہے، فقیر جس بستی میں رہے یک رنگ رہے۔

حضرت قاضی صاحبؒ کا وصال پاک مسمی سائیں محمد زمان کے مکان پر ہوا۔ سائیں صاحب مرحوم درویش صفت اور نیک خو شخص تھے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا نادیدہ عاشق تھا۔ ان کو جو عشق حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ تھا اس کی مثال نہیں ملتی۔ درویش جس قسم کے فرائض کسی اپنے عقیدت مند کے لئے عائد کرتا ہے۔ وہ اسے فرض منصبی سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ جیسے کہ مسمی حکیم عبدالرحیم قادری نوشاہیؒ جو حضرت کے قدیم احباب میں سے تھے۔ مزار اقدس کی آمدنی اور اخراجات کے فرائض ادا کرتے تھے اور یہ بھی ایک بے لوث خدمت تھی۔ یہ ان کی خدمات کا صلہ ہے کہ حضرت پاکؒ کے ذکر خیر کے ساتھ ان کا نام آتا ہے۔ حکیم کا خطاب بھی حضرت صاحبؒ نے عطا فرمایا تھا۔ بعد میں اسی نام سے مشہور و معروف ہو گئے۔

کچھ عرصہ کے بعد صوبیدار محمد اکرم صاحب خادم خاص اپنا تمام انتظام

حکیم عبدالرحیم نوشاہی کے سپرد کر کے انگلینڈ تشریف لے گئے۔ ایک مدت تک وہاں رہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے آستانے کی تمام زمین انہیں کی ملکیت تھی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے بڑے لڑکے سلیم وارثی کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا تو اپنی اہلیہ کو پیغام بھیجا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کے مزار اقدس کے اردگرد جتنا رقبہ میری ملکیت ہے وہ مزارِ اقدس کے نام بیع کر دیں۔ لہٰذا وسیع و عریض رقبہ دربار وارثی کے نام بیع کر دیا گیا۔ میں (قاضی عزت شاہ وارثی صاحب) نے عالمِ رویا میں دیکھا۔ حضرت قاضی صاحبؒ فرما رہے ہیں کہ فلاں جگہ صوبیدار محمد اکرم وارثی ؒ کی قبر کے لئے نشان دہی کرتا ہوں اور ان کے خاندان کے کسی ایک فرد کو بتا دینا اور اس کے ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی کہ اس بات کو کسی سے نہ کہنا۔ یہ راز اپنے تک محدود رکھیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت تم (قاضی عزت شاہ وارثی) یہاں پر موجود نہ رہو۔ لہٰذا صبح اٹھ کر میں نے سرکار قاضی صاحبؒ کے ایک قدیم خادم راجہ عبدالقیوم مرحوم کو دربار میں طلب کیا اور اس کو عالمِ رویا کا تمام واقعہ سے لفظ بہ لفظ آگاہ کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے تاکید کر دی کہ اس راز کو کسی سے نہ کہنا۔ وعدہ ہو گیا۔ اس عالمِ رویا کے واقعہ کے دو سال بعد اطلاع مل گئی کہ صوبیدار محمد اکرم وارثی انگلینڈ میں اس دارِ فانی سے دارالبقا کی طرف کوچ کر گئے ہیں اور ان کی آخری وصیت تھی کہ مجھے انگلینڈ ہی میں بعد از وصال دفن کر دینا مگر وارثی برادران کوشش کر کے ان کی میت کو صندوق میں بند کر کے چھپر شریف لے آئے اور میں ان دنوں اتفاق سے سانگھڑ علاقہ نواب شاہ سندھ گیا ہوا تھا۔ جب میری واپسی ہوئی تو گاؤں میں آ کر پتہ چلا کہ صوبیدار محمد اکرم وارثی کی میت انگلینڈ

سے جب آ گئی تھی تو اس کو حسب فرمان سرکار پاکؒ نشان زدہ جگہ پر سپرد خاک کر دیا گیا۔ **اناللہ وانا علیہ راجعون**

۲۲ اگست ۱۹۵۹ء میں حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کے احرام پوش فقیر حضرت پنڈت الف شاہ وارثی چھپر شریف تشریف لائے۔ اس وقت مزار اقدس حضرت قاضی صاحبؒ کا ایک چاردیواری اور درمیان میں حضرت صاحب ؒ کا مرقد منور تھا پر مشتمل تھا۔ آپ نے (پنڈت صاحبؒ) فرمایا کہ مجھے سرکار عالم پناہ وارث پاکؒ نے بھیجا ہے اور آپؒ نے فرمایا ہے کہ حافظ اکمل شاہ وارثی ؒ سے ملیں اور پھر کر آئیں اور یہ بھی فرمایا کہ "ہم نے پاکستان میں ایک اور دیوئ شریف بنا دیا ہے"۔ اس کے بعد چند مہینوں کے بعد میں دیوئ شریف

○ فٹ نوٹ نمبر ۱: اس وقت پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے ہر سال ایک جماعت زائرین کی زیر قیادت جناب منور شاہ وارثی المعروف بہ اختر میر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ / سپریم کورٹ دیوئ شریف ضلع بارہ بنکی بھارت جاتی تھی۔ یہ جماعت زاہرین (وارثیاں) متواتر ۱۹۶۴ء تک جاتی رہی۔ اس کے بعد حالات کچھ ایسے ہی ہو گئے تھے۔ پھر یہ قافلہ نہیں گیا۔

○ فٹ نوٹ نمبر ۲: فقیر عبداللہ شاہ وارثی ؒ مزارِ اقدس کی تعمیر کے لئے اپنے سر پر پتھر رکھ کر لاتا اور معماروں کے ساتھ کام کرتا -- لنگر کے ساتھ آستانہ عالیہ پر تجوید القرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء میں میاں عبداللہ شاہ وارثی ؒ کا وصال ہو گیا تو بعد میں مزار شریف کی تولیت کا سوال پھر پیدا ہوا۔ احباب اور فقرا کے باہمی مشورہ سے قاضی عزیز احمد وارثی المعروف بہ قاضی عزت شاہ وارثی کو آستانہ عالیہ وارثیہ کا نظام انتظام سپرد کیا گیا۔

قاضی عزت شاہ وارثی حضرت فقیر اوگھٹ شاہ وارثی ؒ کے دستِ حق پر دیوئ شریف میں داخل سلسلہ وارثیہ ہوئے اور بعد میں مجھے عبداللہ شاہ وارثی ؒ کے قل شریف کے موقع پر حضرت قبلہ فقیر حیرت شاہ وارثی ؒ چھپر شریف تشریف لائے تھے اور انہوں نے اپنے دست مبارک سے فقیر عزت شاہ وارثی

حاضری کے لئے گیا تو اس حاضری میں بھی فقیر پنڈت شاہ وارثی ؒ نے میری رہبری فرمائی اور آستانہ پاک میں مجھے پیش کیا گیا اور دست بستہ درخواست پیش کی کہ حضور حافظ جی ؒ آ گئے ہیں۔ کرم اور کرم فرمائیے اور میں (پنڈت الف شاہ وارثی ؒ) ان کا نصف احرام مکمل کروں۔ اس کے بعد مجھے پنڈت صاحب ؒ نے فرمایا کہ سرکار عالم پناہ ؒ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا۔ یہی تمہارا سرمایہ ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ آپ کو سب کچھ مل جائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خادم وہی ہے جو صرف خدمت کو اپنا شعار بنائے اور وارثی برادران کا خیال رکھے۔

کی احرام پوشی فرمائی اور "عزت شاہ وارثی فقیر" نام تجویز فرمایا۔

اس کے بعد آستانہ عالیہ کی تعمیر و ترقی شروع ہو گئی اور شب و روز محنت مشقت کر کے اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے تھوڑے عرصہ میں مزار اقدس مسجد لنگر خانہ' درسگاہ' محافل کے لئے سماع خانہ اور حجرے وغیرہ تعمیر کروا دئے۔ قاضی عزت شاہ وارثی نے خداداد عطیہ تعمیری ذہن پایا ہے۔ موجودہ دور میں سلسلۂ عالیہ وارثیہ کی تبلیغ و اشاعت کا کام بڑی محنت اور لگن سے کر رہے ہیں۔ دربار عالیہ میں لنگر خانہ جاری ہے اور ہر آنے والے وارثی کو باقاعدگی سے کھانا ملتا ہے۔ دربار شریف میں ایک جامع مسجد تعمیر ہے جس میں درس و تدریس کا کام جاری و ساری ہے اور بچوں کو قرآن پاک' حدیث' نماز' روزہ کا درس بھی دیا جاتا ہے۔ دنیا میں اس مادیت کے دور میں دینی تعلیم بہت ضروری خیال کرتے ہوئے اس دینی مدرسے کو قائم کیا گیا ہے۔

قطعہ تاریخ وصال

از: قاضی محمد شریف شائق صدیقی
آستانہ قاضی صاحب ؒ - تخت پڑی
راولپنڈی

رئیس اصفیا و اتقیا بود
جلیس مقتدا و پارسا بود
مکمل اکمل ؒ و مقبول وارث ؒ
خلیق و محسن و جملہ ورا بود
بحالی بیکساں بُد کرم فرما
برائے ناقصاں مشکل کشا بود
بزمرہ صوفیاں سرمایۂ ناز
برائے مقبلاں شمس الضحیٰ بود
پسندیدہ ہمہ اخلاق و عادات
مجسم فیض بخش دوسرا بود
مسمّی قاضی خورشید عالم
کہ عالم را ازو نور و ضیاء بود
ادا فرمود حج و عمرہ باہم
کہ مردے واقفِ رمز اللہ بود

در یغا رخت بربستہ ازیں جا
بدل شوقِ لقائے کبریا بود

مقم خلد شد آں حق آگاہ
قرینِ بارگاہِ ذوالعلاؒ بود

ہمہ خویش و اقارب گریاں بماندند
بہجرش ہر یکے درد آشنا بود

مریداں مضطرب حیراں بماندند
کجا! آں غمگسارِ ما کجا بود

پئے تاریخ رحلت گفت شائق
کہ جسمِ "او فضیلت اولیاء" بود

"فضیلت اولیاء"

۱۳ ھ ۶۸

منقبت حضور اکمل شاہ وارثیؒ

از: قاضی منظور الحسن نجمی برلاس مرحوم
سنگھوئی۔ جہلم

مہکی ہوئی ہوا ہے اکملؒ تری گلی میں
جنت کی سی فضا ہے اکملؒ تری گلی میں

عالم گھرا ہوا ہے باطل کی ظلمتوں میں
توحید کی ضیا ہے اکملؒ تری گلی میں

توحید و معرفت کے میخانے لٹ رہے ہیں
ہر مست جھومتا ہے اکملؒ تری گلی میں

مدت سے ڈھونڈتے تھے شام و سحر جسے ہم
وہ شوخ مل گیا ہے اکملؒ تری گلی میں

دردِ مفارقت کیا لطفِ مقاربت کیا
سب کچھ ہی پا لیا ہے اکملؒ تری گلی میں

ترے کرم کے صدقے عشاق کی نظر سے
ہر پردہ اٹھ چکا ہے اکملؒ تری گلی میں

نیرنگیٔ فلک ہو یا گردشِ زمانہ

ہر درد کی دوا ہے اکملؒ تری گلی میں

مستوں کی ہاؤ ہو سے ہنگامہ چار سو ہے
اک حشر سا بپا ہے اکملؒ تری گلی میں

ہر فکر سے رہائی پائی ہے ترے در پر
دل کو سکوں ملا ہے اکملؒ تری گلی میں

ہوتی ہے روح روشن کھلتی ہے آنکھ دل کی
احساس جاگتا ہے اکملؒ تری گلی میں

عاصی ہے پرخطا ہے جو کچھ بھی ہے ترا ہے
نجمیؔ تڑپ رہا ہے اکملؒ تری گلی میں

منقبت حضور اکمل شاہ وارثیؒ

از: قاضی منظور الحسن نجمی برلاس مرحوم
سنگھوئی۔ جہلم

جب سے آنکھوں میں سمائی ہے ادائے اکملؒ
ہے زبان شام و سحر وقف ثنائے اکملؒ

چومتی ہے نگہ شوق ردائے رنگین
لوٹتا ہے دل مضطر سراپائے اکملؒ

روکشِ وادئی ایمن ہے زمین چھپر
ذرے ذرے میں جھلکتی ہے ضیائے اکملؒ

جس پہ کی چشم کرم بھر دیا اس کا دامن
مرضئ حق ہے حقیقت میں رضائے اکملؒ

گردشِ دہر کی شدت سے نہ گھبرا اے دل
کہ برے وقت کی ساتھی ہے دعائے اکملؒ

چادر پاک کی کیا شان ہے اللہ اللہ
دیکھنا آئینہ فقر و غنائے اکملؒ

آج مہکی ہوئی ہر موج ہوا آتی ہے

کھل گئی ہو نہ کہیں زلف رسائے اکملؒ
نسبت خاص ہو چھپّر کو نہ کیوں دیوے سے
کھل گئی ہو نہ کہیں زلف رسائے اکملؒ
نسبت خاص ہو چھپر کو نہ کیوں دیوے سے
کہ عطا کردہ وارثؒ ہے ردائے اکملؒ
مخزنِ عشق و محبت ہے مرا دل نجمیؔ
اے خوشا سلسلۂ لطف و عطائے اکملؒ

منقبت

حضرت قاضی حافظ حاجی اکمل شاہ وارثیؒ

قاضی اکملؒ شاہ کے در سے
سب کو بن مانگے ہی مل رہا ہے
ہم مریدوں پہ بھی آج دیکھو
پیر و مرشد کی کتنی نگاہ ہے
ساتھ سینے کے اپنے لگا کے
کر رہے ہیں کرم بیکسوں پہ
ہے مریدوں پہ نظرِ عنایت
کرم پہلے سے بھی اب سوا ہے
کوئی سائل کبھی ان کے در سے
ہم نے دیکھا نہیں خالی جاتے
شہنشاہ ہر کوئی ان کے در پہ
ہاتھ باندھے ادب سے کھڑا ہے
جس نے مانگا اسے بھی ملا ہے
جو نہ مانگے اسے بھی دیا ہے
یہ عطا میرے مرشد کی دیکھو

سب کو بن مانگے ہی مل رہا ہے
قاضی اکمل شاہ رہبر اعظم
محترم، ذی حشم، فخر عالم
جن کے در کے گدا اولیاء ہیں
جن کا رتبہ سبھی سے بڑا ہے
چوم لے پاؤں ان کے مزمّل
پیر تیرے ہیں مُرشدِ کامل
ان کی عظمت کا کیسے ذکر ہو
تجھ پہ ہر لحمہ ان کی نگاہ ہے
(رانا محمدؐ مزمّل سفری)

بموقع عرس منقبت حضرت قاضی حافظ اکمل شاہ وارثی

علیہ الرحمتہ

سوہنے مرشد کے قدموں پہ تن من فدا
قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے
بے سہاروں کے بھی آپ ہیں آسرا
قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے
کس قدر ہے کرم، شاہ لولاک کا
سر پہ سایہ فگن مولا مشکل کشا
ہاتھ ہے آپ کے سر پر حسنینؓ کا
قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے
داتا ہجویری گنج بخشؒ داتا پیا
پیر کامل ہیں جو رہبر و رہنما
لائے تشریف وہ بھی بلند مرتبہ
قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے
جن کے در پہ گدا، آ بنے شہنشاہ
جن پہ ہیں مہرباں میرے غوث الوریٰؒ
جن پہ ہند الولیؒ کی ہے نظرِ عطا

قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے
خواجہ گنجِ شکرؒ اور صابرؒ پیا
ساتھ وارثؒ علی بانیٔ سلسلہ
عرس پہ آج آئے ہیں واہ مرحبا
قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے
لے کے کشکول سفرؔی ہے منگتا کھڑا
بھر دو ساگر کی جھولی بھی بہرِ خدا
کوئی لوٹا نہ خالی تیرے در پہ آ
قاضی اکملؒ شاہ بابا کی کیا بات ہے

(رانا محمدؐ مزمل سفرؔی)

حضرت میاں محبت شاہ وارثی علیہ الرحمہ

پنجاب میں ضلع جہلم دریائے جہلم کے کنارے کنارے آباد ہے۔ اس سرزمین کو ہمیشہ روحانیت سے خاصی وابستگی رہی ہے۔ اس سرزمین نے عرفان کے لئے ہمیشہ رہنما پیدا کئے۔ مثال کے طور پر حضرت قبلہ پیر حیدر شاہ علیہ الرحمتہ جلال پور شریف جو سلسلہ نظامیہ کے روشن چراغ اپنے وقت کے قطب گزرے ہیں۔ اس ضلع کی تحصیل پنڈ دادن خاں جو کوہ نمک سے شروع ہو کر ضلع سرگودھا تک چلا جاتا ہے۔ اس تحصیل میں حضرت سخی سیدن شیرازی علیہ الرحمتہ قصبہ چوہا سیدن شاہ میں عاشقوں کی آماجگاہ ہے اور مخلوق خدا اکتساب فیض کرتی ہے۔ اسی علاقے میں "وسلہ" نام کی بستی ہے۔ اس بستی میں ایک معزز اور ظاہری و باطنی تعلیم کے زیور سے آراستہ قاضی خاندان آباد ہے۔ اس باوقار خاندان میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا اسم گرامی جدہ صاحبہ نے اللہ دتہ تجویز کیا اس بچے کی پیدائش پر گھر گھر خوشیوں کا اظہار کیا گیا۔ خاندانی روایت ہے کہ آپؒ پیر کے روز صبح صادق کے وقت اس دنیا میں تشریف لائے اور غالباً ۱۸۵۸ء کا ماہ نومبر تھا۔ ایک دوسری خاندانی روایت ہے کہ آپؒ کا دوسرا نام غلام حسین تھا اور خاندانی شجرہ نسب سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ زراعت پیشہ خاندان ظاہری تعلیم کے زیور سے آراستہ تھا اور بعد میں باطنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے حضرت خواجہ شمس الدین چشتی نظامی سیالوی کا بھی حلقہ بگوش

تھا۔ ان لوگوں کی سیدھی سادھی زندگی اور کوئی ہیر پھیر نہیں۔ اپنے مرشدوں سے بھی قلبی لگاؤ اور ارادت رکھتے تھے۔

غلام حسین کا بچپن کچھ اس انداز سے بسر ہوا۔ بقول والدین یہ بچہ تنہائی پسند تھا اور کبھی کبھی دن میں کئی کئی بار "یا مالک" کی ضرب لگاتا تھا۔ اگر گھر کا کوئی فرد اس کو اس حرکت سے روکنے کی کوشش کرتا تھا تو بے حد پریشان ہو جاتا تھا اور رقت طاری ہو جاتی۔ اکثر ایسا بھی مشاہدہ ہوا ہے کہ شب کو چراغ بتی گل ہونے پر تاریکی میں جب "یا مالک" کی ضرب لگاتا تھا تو ایک روشنی نمودار ہوتی تھی۔ آپ کے والد ماجد نے اتفاق سے اپنے مرشد پاکؒ کی حاضری میں اپنے اس بچے کی کیفیت کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ انہوں نے یہ سن کر فرمایا کہ آپؒ کے گھر میں اللہ تعالیٰ نے رحمتیں نازل فرمائیں ہیں اور وقت آنے پر خدا کے مقبول بندوں میں اس کا شمار ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ کے سلطان السالکین والعارفین اور خدا کے ہم نام بزرگ ان کی پرورش فرما رہے ہیں۔ والد ماجد یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے اور پھر انہوں نے فرمایا۔

"جب شہباز پرواز کرتا ہے تو اس کی نظر زمین پہ اپنے شکار پر ہوتی ہے۔ وہ چاہے جس قدر اونچا پرواز کرے مگر وہ اپنے شکار کو بہت قریب پاتا ہے۔ اس منزل کو حاصل کرنے کے لیے ایک عمر درکار ہے مگر غلام حسین عرف اللہ دتہ پر صاحبؒ نے پہلی نگاہ میں یہ کمال بخش دیا ہے۔ اللہ دتہ کے پاس اس واقعہ کا تذکرہ نہ چھیڑیں۔ اگر ایسی بات آئندہ اس میں دیکھو تو خاموشی اختیار کریں۔ اگر ہو سکے تو اس کو میرے پاس بھی لاؤ۔ اس کے بعد آپ کے والد کرم الدین چشتی واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

ایک دن موقع پاکر حضرت غلام حسین عرف سائیں اللہ دتہ سے حضرت خواجہ صاحب کے پاس چلنے کے لئے کہا تو اس دن آپؒ فاقہ سے رہے اور کمرے کے اندر جا کر دروازہ بند کر کے خاموش پڑے رہے۔ صبح ہوئی تو والدہ صاحبہ نے باہر بلا کر حد سے زیادہ پیار کیا اور محبت بھرے ہاتھوں سے طعام تیار کر کے کھلایا۔ پھر اس کے چند دنوں کے بعد خود بخود اپنے والد سے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کے لیے کہا۔ لہٰذا اپنے والد اور امام مسجد کے ہمراہ سیال شریف روانہ ہو گئے۔ راستے بھر مولوی صاحب سے چھیڑ چھاڑ رہی اور کہتے رہے مولوی صاحب عالم فاضل ہیں' ان سے ہم درس لیں گے۔ لیکن اس کا فیصلہ خواجہ صاحب کریں گے۔

سیال شریف پہنچے تو اس وقت خواجہ صاحبؒ نماز ادا کر کے مسجد سے واپس آ رہے تھے۔ علیک سلیک ہوئی' ڈیرے پہنچ کر خواجہ صاحبؒ نے خادموں کو لنگر کھلانے کے لئے حکم فرمایا مگر غلام حسین عرف اللہ دتہ نے کھانا تناول کرنے سے انکار کر دیا جب کہ باقی سب لوگ کھانا کھا رہے تھے اور آپ نے کہا مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپؒ (خواجہ صاحب) کو پتہ چلا تو آپؒ نے اپنے دست مبارک سے غلام حسین عرف اللہ دتہ کو محبت بھرے انداز سے کھانا تناول کرایا۔ اس کے بعد دو دن وہاں قیام کیا۔ تیسرے دن حضرت خواجہ صاحبؒ نے رخصتی کی اجازت بخشی اور دونوں بزرگوں سے ارشاد فرمایا کہ غلام حسین عرف اللہ دتہ بہت بلند پایہ کے شہنشاہ کا غلام ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں جن کے گھر میں ایسا چراغ روشن ہے۔ خداوند تعالیٰ ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ یہ آپ کے پاس نہیں رہے گا۔ دوسرے دن وہ سب۔لوگ گھر پہنچے اور آپؒ کئی دنوں تک خاموشی

اختیار کئے بیٹھے رہے۔ کھیتوں میں برابر تشریف لے جاتے رہے۔ صبح سے شام کر کے واپس آتے اور کمرہ بند کیا اور صبح ہونے پر باہر نکلتے۔ ایک دن حسب معمول کھیتوں کی طرف گئے۔ پھر واپس نہیں آئے۔ ہر جگہ تلاش ہوئی مگر نہیں ملے۔

نشان راہ کہاں اور کہاں ابھی منزل
ابھی کچھ اور ہواؤں کے رخ پہ چلنا ہے

(شاہین)

گھر کے تمام افراد پریشان ہو گئے۔ اس کے بعد چند بزرگ سیال شریف حضرت خواجہ شمس الدین چشتی نظامیؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا گوش گزار کیا۔ آپؒ نے ساعت فرما کر کہا وہ آپؒ کے پاس رہنے والے نہیں تھے۔ ان کی تلاش و جستجو ترک کر دیں۔ والدہ صاحبہ کی مامتا تڑپ رہی تھی اور بے حد پریشان تھی۔ دن رات دعائیں کرتے کرتے زبان گھس گئی۔ اس فکر و پریشانی میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا مگر بیٹے سے ملاقات کی حسرت پوری نہ ہوئی۔

نکلے دم جو کسی کا تیرے انتظار میں
کیا خاک چین پائے وہ کنج مزار میں

ایک صاحب جن کا اسم گرامی میر صاحب تھا۔ وہ حیدر آباد دکن میں وکالت کا

پیشہ کرتے تھے اور حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کے دامن گرفتہ تھے۔ اتفاق سے قصبہ دیوئی شریف بغرض حاضری تشریف لائے تو انہوں نے دیگر باتوں یعنی سخنہائے گفتنی کے علاوہ عرض کیا کہ حضور ہمارے حیدر آباد میں ایک نوعمر فقیر مست پنجابی رہتا ہے۔ ان کے پاس بے شمار مخلوق آتی ہے اور اکتساب فیض کرتی ہے۔ حضور نے ساعت فرما کر کہا ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ غلام حسین ہو گا' غلام حسین ہو گا۔ وہ ہمارے پاس آئے گا۔ اب وقت آ گیا ہے۔ جب اس سے ملو ہمارا سلام کہہ دینا۔ یہ سن کر میر صاحب کو حیرت ہوئی کہ جس کو میں باکمال سمجھتا تھا وہ تو میرے وارث پاکؒ کے غلام نکلے۔ دیوئی شریف سے نکل کر جب میر صاحب حیدر آباد دکن پہنچے تو انہوں نے فرصت اور تنہائی پا کر فقیر مست کو سرکار وارث پاکؒ کا سلام پیش کیا اور کہا "برادر طریقت کی نسبت سے میری تمنا ہے کہ آپ میرے ہاں گھر تشریف لے چلیں"۔ جب دوسرے دن میر صاحب لینے کے لئے گئے تو آپؒ غائب تھے۔ اس کے بعد آپ کو دکن میں نہیں دیکھا۔ پھر ایک مدت کے بعد میر صاحب کہتے ہیں کہ ہماری میل ملاقات راولپنڈی میں ہوئی۔

اے پیکر محبوبی میں کس سے تجھے دیکھوں
جس نے تجھے دیکھا ہے وہ دیدہ حیراں ہے

سینے میں داغ عشق فروزاں ہوئے تو ہیں
رنگینی حیات کے سامان ہوئے تو ہیں

امام مسجد مولوی فضل داد کا بیان

ایک شب میں حسب معمول برائے ادائیگی نماز تہجد مسجد میں گیا تو میں نے صحن مسجد میں ایک برہنہ لاش پڑی ہوئی دیکھی اور اس کے جسم کے اعضاء الگ الگ بکھرے پڑے ہیں اور کچھ کچھ دھیمی دھیمی سی آواز بھی سنائی دے رہی تھی جس کو میں بوکھلاہٹ میں سمجھ نہ سکا۔ میرے حواس باختہ ہو گئے الٹے پاؤں گھر واپس آگیا۔ اسی اثناء میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا تو باہر سائیں اللہ دتہ کھڑا تھا اور مجھے کہنے لگا کہ فجر کی اذان کا وقت ہو گیا ہے۔

مولوی صاحب! مسجد چلو۔ میں جب ان کے ساتھ مسجد میں گیا تو دیکھ کر حیرت ہوئی وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ صحن بالکل صاف تھا میں (مولوی) نے اذان کہی۔ اس کے بعد نماز فجر باجماعت ہوئی مگر سائیں اللہ دتہ غائب تھا۔ لہٰذا میں آپ سب گھر والوں کو یہ چشم دید واقعہ سنانے کے لئے آیا ہوں۔ آؤ سب مل کر حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے در اقدس پر حاضری دیں اور اس واقعہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔ لہٰذا جب ہم سیال شریف پہنچے اور باتوں کے علاوہ میں (مولوی صاحب) نے اس چشم دید واقعہ یعنی سائیں اللہ دتہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے تمام کہانی سماعت فرمائی اور پھر یوں فرمایا "مولوی یار! تو بہت بھولا ہے' یارانے اونتھاں والیاں نال رکھ دے ہوتے بوہے نکے رکھے نے' اور اتنا بھی تم نہیں جانتے کہ تمہارے گاؤں میں بھی ولی صفت آدمی ہے۔ اس پر بہت بڑے درویش کا سایہ رحمت ہے"۔ پھر بابا کرم الدین سے فرمایا کہ

اللہ دتہ کو کچھ نہ کہنا۔ وہ ٹھیک ہے۔ میں (مولوی) نے دوبارہ حضرت صاحب سے اصرار کر کے دریافت کیا کہ حضور آخر یہ چیز کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اسم اعظم کا سبق بچپن میں صاحب نے عطا فرما دیا ہوتا ہے۔

؎ نرالے رخ سے کی تعمیر تو نے پیر میخانہ
کہ چاروں رخ سے سجدے ہیں سوئے تعمیر میخانہ

صوبیدار محمدؒ زمان وارثی کا بیان

جب آپؒ سفر پر روانہ ہوئے تو اس پہلے سفر کی معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ صرف دو تین واقعات آپؒ کے برادر خورد صوبیدار محمدؒ زمان صاحب نے بتائے ہیں۔ بحکم سرکار پاکؒ آپؒ نے سیاحی میں حیدر آباد دکن کا سفر اختیار کیا اور گلبرگہ شریف پہنچ کر حضرت شاہ محمدؒ گیسو درازؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور روتے رہے۔ پھر آپؒ کے درد و محبت میں مزید ترقی ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ہوش و حواس جاتے رہے۔ بدن پر جو کپڑے تھے وہ بھی پھٹ پھٹا گئے۔

؎ کام اپنا نہ کبھی تجھ سے مری جان نکلا
تن سے جاں نکلی مگر دل کا نہ ارمان نکلا

حیدر آباد دکن کا موسم عموماً گرم ہوتا ہے۔ وہاں کوئی شخص برہنہ بدن نہیں رہ سکتا مگر میاں محبت شاہ وارثیؒ تپتی دھوپ میں برہنہ بدن بیٹھے رہتے۔

حیدر آباد دکن میں آپؒ "مست بابا / پنجابی مست" کے نام سے مشہور و معروف
تھے۔ صوبیدار محمدؒ زمان صاحبؒ نے بیان کیا کہ ضلع جہلم کے علاقے کے چند
فوجی لوگوں نے ہمیں اطلاع دی اور ہم آپؒ کی تلاش میں سرگرداں چل پڑے۔
جہاں جہاں جاتے تو پتہ چلتا رہا ابھی یہاں تھے، ابھی غائب ہو گئے ہیں۔ ہم نے
بھی اس شہر کی کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ مگر آپؒ نہیں ملے، نہ ملنا تھا۔

ے نہ نکلنا تھا نہ نکلا ارماں کوئی
نہ بدلنا تھا نہ بدلا کسی عنوان کوئی

ایک ہفتہ تک مسلسل تلاش جاری رہی اور پھر ہمارے ساتھ ملازمت کا بھی چکر
تھا لہٰذا اپنی نوکری پر واپس آگرہ آگئے۔ اس کے بعد کچھ ایسی اطلاعات بھی ملتی
رہیں۔ اپنے علاقے کے لوگ ہم عصر محلے داروں نے بھی ان سے ملاقاتیں کیں
مگر وہ فقیر مست پنجابی زیادہ تر خاموشی اختیار کرتے رہے۔ اہل حیدر آباد دکن
اس پنجابی مست کی عجیب و غریب کرامتیں بیان کرتے تھے۔ ان کرامتوں میں چند
ایک مندرجہ ذیل تھیں۔

○ ۱- آپؒ کو آگ جلانے یعنی دھونی کا بہت شوق تھا۔

○ ۲- حیدر آباد دکن کا کڑوا تمباکو حقے کی چلم میں بھر کر ایک زوردار کش
لگاتے۔ عوام کو جب پتہ چلا کہ آپؒ حقہ نوشی زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ ہر سوالی/
غرض مند حقہ تیار کر کے اپنے ساتھ لاتا اور پیش کرتے۔ جب آپؒ خوش
ہوتے جس کو سوال کا جواب مل جاتا۔ اس کی تقدیر چمک جاتی۔

○ ۳- حیدر آباد دکن کا ایک زمیندار امیر کبیر جس کی جائیداد میں معدنیات کی

کانیں بھی تھیں۔ اس کی سات بیویاں تھیں مگر سب بے اولاد۔ وہ امیر آدمی
آپؒ کی شہرت سن کر آپؒ کے پاس بمعہ حقہ اور سازوسامان کے خدمت اقدس
میں حاضر ہوا۔ اس امیر آدمی نے لکڑیاں جلا کر آگ بنائی اور چلم بھر کر حقہ تیار
کر کے آپؒ کو پیش کیا۔ آپؒ نے چند کش لگائے اور فرمایا یہ کیا حقہ ہے؟ امیر
آدمی نے دوبارہ چلم بھرنے کے لئے اپنے نوکر کو حکم دیا مگر آپؒ نے فرمایا۔ تم
اپنے ہاتھ سے خود چلم بھرو لہٰذا وہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور چلم بھر کے حقہ
تیار کر کے آپؒ کے سامنے پیش کیا۔ آپؒ نے پھر دو چار کش لگائے اور فرمایا کہ
تمباکو جل گیا ہے۔ پھر چلم بھرو اور حقہ تیار کر کر کے لاؤ۔ لہٰذا وہ تمام دن اسی
طرح بار بار حقہ تیار کر کے آپؒ کی خدمت بابرکت میں پیش کرتا رہا۔ لوگوں
نے اس امیر آدمی سے کہا۔ چودھری صاحب! حوصلہ رکھیں۔ دل چھوٹا نہ کریں
اور بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ بھی آزمائش کا وقت ہے۔ چودھری صاحب نے
کہا اب جو ہو سو ہو۔ پس کروں گا اور اس وقت جاؤں گا جب فقیر مستؒ مجھے
خود حکم فرمائیں گے۔ مجھے چاہے برباد کریں یا شاد و آباد کریں۔

ع! میں وہ سائل ہوں کہ بن لئے ٹلتا نہیں

خیر! شام گزری، رات ہو گئی اور چلم و حقہ برابر بھرا جا رہا ہے اور آپؒ کش
پہ کش لگائے جا رہے ہیں اور کیفیت ایسی! خاموشی ہے، سناٹا ہے۔ لوگ باگ
سب رخصت ہو چکے ہیں۔ جب رات ڈھلنے لگی تو صرف امیر آدمی اور آپؒ کی
ذاتؒ تنہا رہ گئے۔

امیر آدمی صاحب نے دیکھا کہ آپؒ آگ کی دھونی سے آگ کے کوئلے
اٹھا اٹھا کر منہ میں ڈال کر کھا رہے ہیں۔ اور مجھے (امیر آدمی کو) حیرت ہوئی کہ
جو خوردونوش کا سامان میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ ویسے کا ویسا دھرا پڑا ہے۔
میری یہ حالت تھی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

پھر خود ہی فقیر مست نے ایک عدد آگ کا دہکتا ہوا کوئلہ میری (امیر
آدمی) طرف اپنے دست کرم سے بڑھایا اور حکم دیا تو بھی کچھ کھا لے۔ امیر
آدمی نے بلاعذر آگ کے کوئلے کو پکڑ کر منہ میں ڈال لیا اور کھا گیا۔ اسے ایسا
ذائقہ محسوس ہوا کہ جیسے کوئی میٹھی شے کھائی ہے۔ امیر آدمی مزید حیران ہوئے
کہ یہ عجیب اسرار ہے۔ اس کے بعد آپؒ نے فرمایا "تم جو چاہتے ہو سب
مرادیں بر آئیں گی"۔ ایک بیٹا نہیں سات بیٹے ہوں گے مگر باری باری۔ جاؤ
کسی کو نہ بتانا۔ ایک بات اور سن لو۔ ہمارے پاس بالکل نہ آنا اور نہ کوئی نذرانہ
لانا۔ اب یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ حکم سن کر امیر صاحب واپس اپنے گھر آ گئے۔
سب سے پہلے اپنی بیگم کے پاس گیا تو وہ کام میں مصروف تھی۔ اس نے استفسار
کیا کہ چودھری صاحب کہاں گئے تھے۔ اس نے کہا میں فقیر مست کے پاس گیا
ہوا تھا۔ اس کے بعد بیگم نے کہا یہ بالکل غلط ہے۔ مست فقیر تو شب کو میرے
گھر میں تھے اور مجھے ایک آگ کا دہکتا ہوا کوئلہ عطا فرمایا اور فرمایا کہ بی بی اسے
کھا لو۔ میں نے بلا عذر یہ کوئلہ کھا لیا تو وہ ذائقہ میں میٹھا اور ٹھنڈا تھا۔ اس
کے بعد وہ تشریف لے گئے اور فرما گئے تمہارے ہاں اولاد نرینہ ہو گی یعنی لڑکا بڑا
بہادر اور اس کی لمبی عمر ہو گی۔ اپنے خاوند کو اطلاع کر دینا۔ امیر صاحب نے یہ
واقعہ سن کر پھر اپنی بات سنائی۔ دونوں کو حیرت ہوئی کہ بہ یک وقت مست فقیر

نے ہم دونوں کو ایک ہی شے کھانے کو عطا فرمائی۔ لہٰذا کچھ مدت کے بعد امیر
آدمی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا مگر ان کے پاس نہ جانے کی پابندی بدستور رہی۔ پھر
اسی طرح باقی بیویوں کے ہاں بھی اولادیں ہوئیں۔ حیدر آباد دکن میں مست فقیر
کا عام چرچا ہو گیا اور یہ اطلاع نواب آف حیدر آباد دکن کو بھی ملی۔ سن کر ان
کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا مگر کوشش بسیار کے باوجود حاضری کا موقعہ نہ ملا۔
اہل حیدر آباد دکن کا کہنا ہے کہ دہکتی ہوئی آگ کے سوا خوردونوش نہیں کرتے
تھے۔

ایک عرصہ کے بعد جہلم کے علاقہ کے چند فوجی جوان جو رشتہ میں
مست فقیر کے عزیز و اقارب تھے۔ سنی سنائی اطلاع پا کر حیدر آباد دکن پہنچے اور
ڈھونڈھیائی شروع کی۔ حیدر آباد دکن کے لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ ایک جگہ" مقام
پر نہیں رہتے۔ تلاش کرنے والوں کو وہ مطلق نہیں ملتے۔ لباس سے بے نیاز'
ننگے سر اور بغیر جوتا کے رہتے تھے۔ جسم بھی اکہرا تھا۔ اگر کسی نے کپڑے سلوا
کر زیب تن کر دیئے۔ وہ بھی دوسرے تیسرے دن پھٹ پھٹا جاتے۔ میں نے شہر
کا کونہ کونہ چھان مارا۔ اور آپؒ کی تلاش و جستجو میں بے چین رہتا تھا۔ جن عزیز
و اقارب کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی ان سے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں
فرمائی۔ حالانکہ ان کی بچپن سے جان پہچان اور ان کے جسم پر بچپن کے زخموں
کے نشانات اور اس کا قد کاٹھ' وجود وغیرہ۔ سب کچھ جانتے تھے۔ اس کے علاوہ
ہم عصر پڑوسی عزیز ہم سب کچھ تھے۔ یہ تمام باتیں رہنے سہنے اور لوگوں کے
ساتھ میل ملاپ اس مست فقیر کا سمجھتے تھے۔ آپ کے ملنے کی خبر والدہ ماجدہ (جو
فراق میں اکثر روتی رہتی تھیں) تک پہنچی۔ اس کی مامتا ایک دم تڑپ اٹھی اور

پکار اٹھی کہ ہائے میرا اللہ دتہ (بچپن میں مست فقیر کا اسم گرامی غلام حسین عرف اللہ دتہ تھا) بعد میں جب حضرت وارث پاکؒ سے درویشی عطا ہوئی تو آپؒ نے فقیری نام "محبت شاہ وارثی پنجابی" رکھا۔ والدہ کی بے سکونی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ جب کوئی علاقہ جہلم / گاؤں کا شخص فوجی ملازمت سے رخصت لے کر آتا۔ اسی کے پاس جا کر معلومات حاصل کرتیں اور ہمیشہ اللہ دتہ کی باتیں ان کے عادات و خصائل بیان کرتی رہتیں۔ پھر اپنے دل کی بات یہ کہہ کر خاموش ہو جاتیں۔ ہمارے مرشدوں نے بھی فرمایا تھا کہ اللہ دتہ پر کسی بڑے بزرگ کا سایہ رحمت ہے۔ وہی ان کو سنبھالہ دیں گے۔

جب میری چھٹی ختم ہوئی اور میں واپس ملازمت پر جانے لگا تو والدہ نے پھر تاکید کی کہ بیٹا اللہ دتہ کا پتہ کرنا اور کوشش کر کے گھر لے آنا۔

ترے نثار نگاہوں کے پھیرنے والے
مجھے بنا دیا اپنے سے آپ بیگانہ

جب میں آگرہ پہنچا۔ چند دنوں کے بعد اتوار کی چھٹی کر کے حیدر آباد دکن روانہ ہو گیا۔ میرے ساتھ چند دوست بھی تھے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ فقیر مست ابھی یہیں تھے۔ کل فلاں جگہ تھے۔ باوجود سخت تلاش کے ان کو نہ ملنا تھا نہ ملے۔ پھرتے پھراتے شام ہو گئی۔ اتفاق سے ایک شخص ملا۔ اس نے ہم سے پوچھا کیا بات ہے۔ ہم نے کہا کہ فقیر مست کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اس نے کہا کہ میں ابھی ابھی مل کر آیا ہوں۔ میرے ساتھ چلو میں ابھی ملاقات کرا

دیتا ہوں۔ ہم اس کے ساتھ چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو فقیر مست غائب تھے۔ اس شخص نے پوچھا کہ آپ کی ملاقات کا مقصد کیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں ان کا برادر خورد ہوں اور ہم سب فوج میں ملازمت کرتے ہیں۔ اس شخص نے کہا ان کی تلاش چھوڑ دیں وہ نہیں ملیں گے۔ اس کے بعد اس شخص نے ہمیں اپنے پاس ٹھہرایا' خوردونوش کا سامان مہیا کیا اور ہم رات کی گاڑی سے آگرہ روانہ ہو گئے۔

کھانے کے دوران اس شخص نے ہمیں اپنا واقعہ سنایا۔ "مجھ سے ایک قتل ہو گیا تھا اور مجھ پر مقدمہ چل رہا تھا۔ سب لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ کسی شب کو فقیر مست کی خدمت میں جاؤ اور اپنی داستاں الف سے ی تک تمام سناؤ۔ وہ اگر معاف کر دیں گے تو سب معاملات درست ہو جائیں گے۔ خیر! میں ان کے کہنے پر شب کو ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپؒ کے پاس بہت زیادہ مخلوق دھونی کے اردگرد جمع تھی۔ میں نزدیک پہنچا تو مجھے فرمایا "ڈرو مت۔ نزدیک آؤ۔ یہ مخلوق ہم سے ملنے آئی ہے۔ تم حقہ کی چلم بھرو"۔ میں چلم بھرنے چلا گیا۔ اس آنے والی مخلوق کو اجازت دے دی اور رخصت کر دیا۔ حقہ تیار کر کے لایا تو میں نے آپؒ کی خدمت بابرکت میں اپنی درخواست پیش کی اور عرض کیا کہ حضور مجھ پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔ میرے لئے دعا فرما دیں۔ آپؒ نے میری روداد سماعت فرمائی اور کہا قتل تم نے نہیں کیا۔ وہ تو کسی اور نے کیا تھا' تمہیں کیا۔ یہ بات بالکل ٹھیک تھی مگر میں اس قتل میں موجود تھا اس لئے قتل کا کیس مجھ پر ڈال دیا گیا تھا۔ قتل کرانے والا امیر آدمی تھا۔ اس نے بھی مجھے ہی ذمہ دار ٹھہرایا۔ اگر میں انکار کرتا ہوں تو وہ امیر آدمی مجھے مروا

دے گا۔ اگر اقرار کرتا ہوں تو ملزم ٹھہرایا جاتا ہوں۔ امیر آدمی کو خوش کرنے کے لئے میں نے اقرار کر لیا تھا۔ آپؒ نے مجھے فرمایا "جاؤ' سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا"۔ جب مقدمہ کی تاریخ پر عدالت میں حاضر ہوا' میں خاموش کھڑا تھا اور وہ امیر آدمی بھی عدالت میں مقررہ تاریخ پر حاضر ہوا۔ جج صاحب نے سوال کیا۔ یہ قتل تم نے کیا ہے۔ میں نے اس وقت تو تسلیم کر لیا کہ یہ قتل میں نے کیا ہے۔ کیونکہ میں اس امیر آدمی کی جاگیر میں بطور منشی ملازم تھا اور قتل بھی جاگیر ہی میں ہوا تھا۔ تو اسی وقت پیچھے سے ایک شخص آیا جسے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ اس نے امیر آدمی کو دھکیل کر آگے کر دیا اور کہا کہ تم کیوں نہیں کہتے یہ قتل میں نے کیا ہے۔ اس منشی کو کیوں لپیٹ میں لیتے ہو۔ سچ سچ کہو اور جج صاحب کو بتاؤ کہ قتل کس نے کیا ہے؟ جھوٹ مت بولنا ورنہ میں تمہاری جان لے لوں گا۔ وہ امیر آدمی خوفزدہ ہو گیا۔ راز فاش ہوتے دیکھ کر اس نے فوراً" کہا کہ جج صاحب قتل مجھ سے ہوا ہے اور فلاں ہتھیار سے کیا ہے۔ یہ منشی بے گناہ ہے۔ اسے چھوڑ دیا جائے۔ میں قاتل ہوں۔ مجھے سزا دی جائے۔ تو اس طرح اس فقیر مستؒ نے میری جان بچائی۔ اس امیر آدمی کو سزائے موت کا حکم ہوا۔ موت سے پہلے اس نے سب کو وصیت کی کہ کسی کو جھوٹے مقدمے میں ملوث نہ کرنا ورنہ کوئی نہ کوئی پردہ غیب سے آکر حق بات کہہ دے گا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ صوبیدار محمدؐ زمان وارثی نے بیان کیا "حیدر آباد دکن میں ایک ضعیفہ بڑی بی سے اتفاقاً" ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی ایسے وقت جب ہم بھائی صاحب اللہ دتہ المعروف بہ فقیر مست کی تلاش میں تھے۔ ہم نے ایک دن اس کے پاس بھی گزارا۔ اس نے اپنی روداد سنائی کہ میرا لڑکا جس کا نام

حبیب ہے جو جواہرات کا تاجر ہے۔ اس کی بینائی جاتی رہی۔ وہ آگرہ میں کاروبار کرتا تھا۔ میں نے ہر ڈاکٹر' حکیم' سنیاسی اور کئی فقیروں کو دکھایا مگر کسی سے فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار میں مقامی لوگوں کے مشورے پر فقیر مستؒ کی تلاش میں نکلی۔ مگر نہیں ملے۔ ایک دن اتفاق سے میں شام کے وقت گھر واپس آ رہی تھی کہ میرے سامنے فقیر مستؒ صاحب بہ نفس نفیس آ گئے اور مجھے کہا کہ تم میری ماں ہو۔ میں نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اگر میں آپؒ کی ماں ہو تو اپنے بھائی کی نظر (بینائی) ٹھیک کریں ورنہ میں تمہیں پکڑے رکھوں گی۔ جب تک تمہارے بھائی کی بینائی لوٹ کر نہ آئے۔ اس پر فقیر مستؒ نے خوشامد کی اور کہا کہ ماں مجھے چھوڑ دو۔ تمہارا فرزند یعنی میرا بھائی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب چھوڑ دو ورنہ وہ آ جائیں گے اور مجھے لے جائیں گے۔ بہت دفعہ یہی فرمایا۔ میں گھبرائی اور اسے چھوڑ دیا۔ جب گھر واپس پہنچی تو میرا لڑکا حبیب بالکل بینا تھا اور اس کی آنکھیں بھی خوبصورت ہو گئیں تھیں۔ میں نے لڑکے سے کہا فقیر مستؒ صاحب ملے تھے۔ ان کی دعاؤں سے تم ٹھیک ہو گئے ہو۔ میرے لڑکے نے کہا کہ فقیر مستؒ کہاں ملے تھے۔ میں نے کہا راستے میں ملاقات ہوئی تھی۔ لڑکے نے کہا کہ ابھی ابھی فقیر مستؒ میرے پاس موجود تھا اور میری دونوں آنکھوں میں تھوکا اور کہا بھائی تمہاری نظر ٹھیک ہے۔ ماں سے کہو کہ مجھے نہ پکڑے۔ ورنہ وہ مجھے لے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ ہمیں نہیں ملے۔

ہیں نقش اتنے گہرے درس وفا کے دل پر
ہم چاہتے ہیں بھولیں وہ یاد آ رہے ہیں

اگر تم کو ان کی تلاش ہے وہ تمہیں نہیں ملیں گے۔ پھر اس کے بعد ہم
سب آگرہ واپس ملازمت پر پہنچ گئے۔ ایک دن آگرہ میں بیٹھے بیٹھے سوچا کہ
حبیب جوہری کو تلاش کر کے اس سے ملاقات کی جائے اور اس سے بھی اس
واقعہ کی تصدیق کریں۔ آخر کار تلاش کرتے کرتے حبیب جوہری مل گئے۔
علیک سلیک ہوئی اور اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ پھر اس نے ہمیں بتلایا
کہ میری نظر جاتی رہی۔ تقریباً" ایک سال میں نے اس عذاب میں گزارا۔ دنیا
بھر کے علاج کرائے' درویشوں' فقیروں کی درگاہوں کے چکر کاٹے اور ہزاروں
جتن کئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار تنگ آ کر گھر بیٹھ گیا۔ اب میری ساری
امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ ایک دن میرے محلہ کے لوگوں نے کہا یہاں حیدر
آباد دکن میں ایک فقیر مست پنجابی" رہتے ہیں مگر وہ قسمت سے ملتے ہیں۔ جس
کسی کو مل جاتے ہیں' اس کی تقدیر چمک جاتی ہے۔ اگر وہ دعا کریں گے تو
تمہاری بینائی لوٹ آئے گی ورنہ مشکل ہے۔ میری والدہ تھی یا میں اور ہمارا کوئی
ساتھی نہیں تھا۔ ماں بھی بیچاری ضیف العمر۔ میری بیوی میرا ساتھ چھوڑ گئی۔
سسرال والوں نے میرے کاروبار پر قبضہ کر لیا تھا اور مجھے نکال باہر کیا۔ میں بے
بس ہو کر رہ گیا۔ ایک دن اتفاق سے اسے میری خوش قسمتی سمجھیں۔ وہی فقیر
مست صاحب" میرے گھر تشریف لے آئے اور مجھے پکڑ کر میری آنکھوں میں
لعاب دہن ڈالا اور فرمایا بھائی تمہاری بینائی لوٹ آئی ہے۔ ٹھیک ہے' ٹھیک
ہے' ٹھیک ہے۔ تین دفعہ کہا اور میرا نابینا پن جاتا رہا۔ دیکھا تو میرے سامنے
ایک (لباس سے بے نیاز) دبلا پتلا لمبے بالوں اور لمبی داڑھی والا فقیر مست کھڑا

ہے۔ میں نے عرض کی کہ جناب میرے پاس تشریف رکھیں لیکن فقیر مست" باہر
نکل گئے اور کہنے لگے۔ ماں سے کہو کہ مجھے نہ پکڑے۔ وہ مجھے آ کر لے جائیں
گے۔ وہ مجھے آ کر لے جائیں گے۔ صرف میری ماں کو ملے ہیں۔ اب تک ہم
ان کے طلبگار ہیں مگر وہ نہیں ملتے۔ حبیب جوہری نے کہا دکن کا یہ ایک مشہور
واقعہ ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔ اب یہ دکان بھی دوبارہ مل گئی ہے اور کاروبار
بھی اچھے طریقے سے چل رہا ہے۔ بیوی بھی آ گئی ہے۔ بچے بھی ہیں مگر میری
ماں حیدر آبادن دکن میں رہتی ہے۔ بقول صوبیدار صاحب اس کے بعد ہار
تھک کر ہم بیٹھ گئے اور تلاش و جستجو کو ترک کر دیا۔

عالم ادھر وفا کا دنیا ادھر جفا کی
رنگ اپنا اپنا دونوں دل پر جما رہے ہیں (خلیل)

اطلاعات تو ہمیں مسلسل ملتی رہیں کہ حیدر آباد دکن میں ایک فقیر
مست پنجابی رہتا ہے۔ بہت سی مخلوق ان کے پاس آ کر مرادیں حاصل کرتی
ہے۔ زیادہ تر حقہ پیتے ہیں' اکثر رت جگا کرتے ہیں۔ ان کے خورد و نوش میں
آگ کے کوئلے ہوتے ہیں۔ یہ تمام واقعات میں نے حضرت قاضی حافظ اکمل
شاہ وارثی" کو بتائے۔

انہوں نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لئے۔ پھر بعد میں یہی ڈائری خود
نوشتہ بمقام "کھائی کوٹلی" میں مہراللہ دین وارثی جو اسی گاؤں کے نمبردار تھے۔
بوسیدہ حالت میں دستیاب ہوئی۔ مندرجہ بالا اقتباسات اسی مذکورہ [illegible]ی سے

حاصل کر کے پیش نظر "کتاب" میں درج کر دیئے ہیں۔

اسی ڈائری میں ایک اور واقعہ سرکار عالم پناہؒ وارث پاک کا درج ہے۔ اس کے راوی بھی صوبیدار محمد زمان وارثی ہیں کہ "ہمارے دادا کے برادر خورد جو نزدیک ہی دوسرے گاؤں "ڈھوک" میں سکونت رکھتے تھے۔ جب انہیں بھائی غلام حسین المعروف بہ اللہ دتہ (فقیر مست پنجابیؒ) کے حالات سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے اپنا واقعہ سنایا۔ کہ میں ایک سفر کے دوران دیوئی شریف میں حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوا۔ بعد از بیعت نصیحت و ارشاد فرمایا کہ "بابا نور دین بوقت ضرورت ہمیں یاد کر لینا۔ مرید وہ ہے جو مرشد کو سوتے جاگتے یاد رکھے"۔

ایک دفعہ میری بیوی بیمار ہو گئی۔ علاج معالجے سے مرض میں افاقہ نہ ہوا۔ وہ فوت ہو گئی۔ مجھے بیوی سے بے حد محبت تھی۔ اس کی موت کے صدمے کو برداشت نہ کر سکا۔ روتے روتے اور آہ و بکا کرتے ہوئے ایک دم حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا خیال دل میں سمایا۔ میں نے گھر والوں کو کہا کہ میں دیوئی شریف جا رہا ہوں۔ جب تک میری واپسی نہ ہو' میت کو سپرد خاک نہ کریں۔

میرے گاؤں سے ریلوے اسٹیشن دور تھا۔ سخت جاڑے کا موسم تھا لہٰذا ایک جان پہچان والے دوست کے گھر شب باشی کے لئے رک گیا۔ تمام رات حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کو پریشانی کی حالت میں یاد کر کے روتا رہا۔ صبح ہوئی تو میں اسٹیشن کی طرف رواں دواں ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ دور سے چند اشخاص چلے آ رہے ہیں۔ قریب جا کر دیکھا تو حضرت وارث پاک علیہ

الرحمتہ تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا "او بابا نور دین! جاؤ جاؤ گھر چلے جاؤ۔ تمہاری رفیقہ حیات فوت نہیں ہوئی۔ اسے سکتہ ہو گیا ہے۔ جلدی جاؤ' ٹھیک ہے ٹھیک ہے"۔ میں وہاں سے الٹے پاؤں بھاگتا ہوا آیا اور جب گھر پہنچا تو دیکھا بیوی بالکل تندرست بیٹھی ہوئی ہے۔ میں نے اپنے عزیزوں اور اقارب سے پوچھا "یہ کیسے اور کس وقت ٹھیک ہوئی تو اس پر ان عزیزوں نے میری رفیقہ حیات کے ٹھیک ہونے کا جو وقت بتایا تھا وہی وقت اور گھڑی تھی جس وقت مجھے حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ راستے میں ملے تھے۔ بابا نور دین وارثی نے کہا کہ قبلہ سرکار عالم پناہؒ نے واقعی حق بصیرت اور حق مرید کو نبھایا اور بندہ پروری فرمائی۔

مولانا علم الدین چشتی نظامی سیالوی ؒ کا بیان

حضرت فقیر میاں محبت شاہ وارثی ؒ قاضی خاندان کے چشم و چراغ اور موضع بستی تحصیل پنڈ داون خاں ضلع جہلم (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ پرانے بزرگوں کی روایت ہے، ظاہری تعلیم حاصل نہ کر سکے مگر حضرت وارث پاک ؒ کی عالم رویا میں زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور اس کا اتہ پتہ نہیں ملتا تھا کہ جس کے در اقدس کی غلامی میری قسمت میں ہے۔ اس کو کہاں ڈھونڈھنے جاؤں۔ آخر کار ایک دن بے چینی، پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

کریما بہ بخشائے برحال ما
کہ ہستم اسیر کمند ہوا

ایک ایسی اطلاع بھی سنی گئی کہ آپ ؒ صوبہ سرحد میں زیارتوں سے بہ مشرف ہوتے ہوئے اور ہر فقیر و درویش کے نیاز حاصل کرتے ہوئے غزنی پہنچ گئے۔ وہاں سے واپسی ہوئی تو سوات شریف میں آخند عبدالغفور نقشبندی ؒ کی بارگاہ میں سیدو شریف حاضری دی۔ انہوں نے ملاقات کے بعد ایک شب کے لئے اپنے پاس روک لیا۔ شب کو ایک روحانی محفل منعقد پذیر ہوئی۔ محفل کے میر مجلس آخند صاحب ؒ کی زبان گوہر فشاں سے جب کیفیت زور پکڑتی تو وقفے وقفے سے ایک لفظ "یا وارث" نکلتا تھا۔ اس "یا وارث" پر میاں محبت شاہ وارثی ؒ کو

حیرت بھی ہوئی اور پوچھنے کی سکت بھی نہیں رکھتے تھے۔ ع

دل بردی۔ جاں بردی - بے تاب تپاں کر دی
درد نوع و سوزے نو و عشق ہر روز !
برجان دل شکستگاں افزوں باد
از دست خیال تو کہ در جاں من است
تا روز قیامت دل من پر خوں باد

خیر محفل ختم ہوئی تو حضرت آخند صاحب ؒ نے دریافت فرمایا کہاں سے آئے ہو۔ عرض کیا غزنی سے۔ پھر پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو۔ عرض کیا پنجاب ضلع جہلم کا۔ آخند صاحب ؒ نے پھر پوچھا اس سیر کناں اور سیاحت کا کیا مقصود۔ آپ ؒ نے عرض کیا آپ ؒ سب کچھ جانتے ہیں مگر پھر آخند صاحب ؒ نے فرمایا "من آنم کہ من دانم"۔ میرا وارث ہر بھید اور راز جانتا ہے۔ میاں محبت شاہ وارثی ؒ نے فرمایا کہ میرے بدن میں ایک آگ سلگ رہی تھی جو اب بھڑک اٹھی ہے اور مزید بے چینی بڑھ گئی۔ آخند صاحب ؒ نے فرمایا "اے نیک بخت بیتاب نہ ہو، مجھے حکم ملا تھا اس لئے تمہیں شب کو یہاں قیام کرایا تھا۔ وقت آنے پر آپ کے پیرو مرشد خود ہی بلا لیں گے"۔ آپ نے فرمایا "وہ مالک ہیں اور میں اسے ہر طرف دیکھتا ہوں مگر نا سمجھ ہوں۔ اس کی خوب رو تصویر میرے پیش نظر رہتی ہے مگر پھر بھی میں تمنائی ہوں اور یہ طلب مجھ سے دور نہیں ہوئی"۔

ظلم اٹھا کر ترے دونی ہوئی چاہت میری
دل میرا دل ہے محبت ہے محبت میری
دین و ایمان کا خدا حافظ و ناصر ہے اسد
آ گئی اک بت کافر پہ طبیعت میری

آنند صاحبؒ نے فرمایا اپنا دل چھوٹا نہ کرو۔ وہ تمہیں مل جائیں گے۔ ایک بات ذہن نشین کر لو۔ پورب کی طرف جاؤ اور جب پورب میں پہنچ جاؤ گے اور مل جائیں تو ہماری طرف سے بھی قدم بوسی کرنا۔ آپؒ آنند صاحبؒ سے رخصت ہو کر پورب کی طرف رواں دواں ہو گئے۔

جنگلوں پہاڑوں سے گزرتے ہوئے چھ ماہ میں دہلی پہنچے اور وہاں پر بائیس خواجگان کی چوکھٹ پر مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ دہلی ہی سے سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کا پتا چلا۔ آپؒ دہلی سے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ لکھنؤ پہنچ کر آپؒ نے حضرت قبلہ شاہ مینا رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ اس دوران میں حضرت حسین شاہ درویش سدا سہاگ سے ملاقات ہوئی۔ یہ سدا سہاگ بڑی پراسرار شخصیت رکھتے تھے۔ ہم نے دوستی کی راہ سے لکھنؤ سے دیوئی شریف کا سفر اختیار کیا۔ شام کے وقت چلے۔ شب بھر چلتے رہے اور آخر شب ہم دیوئی شریف پہنچ گئے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ کی قدم بوسی کے لئے انتظار کرتے رہے۔ سرکار عالم پناہ علیہ الرحمتہ نے پچھلی رات ہی حضرت بابا فیضو شاہ وارثیؒ سے فرما دیا تھا۔ فیضو شاہ فیضو شاہ، سنو سنو پنجاب سے ایک لڑکا آیا ہے۔ بابا فیضو شاہ وارثیؒ باہر نکلے اور دریافت کیا کہ پنجاب سے کون آیا ہے۔ میاں محبت شاہ وارثیؒ نے عرض کیا حضرت صاحب میں آیا ہوں۔ فیضو شاہ

وارثیؒ آپ کو سرکار عالم پناہؒ کے حجرے میں بحکم سرکار اندر لے گئے۔ حسین شاہ سدا سوہاگ سے کہا کہ تم ابھی ٹھہرو۔ جب آپؒ سرکار میں پہنچے تو سرکار عالم پناہؒ نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا "غلام حسین صحیح پہنچے۔ غلام حسین تم غلام تو پیدائشی ہو۔ ہماری تمہاری ملاقاتیں تو قدیم سے ہیں۔ کوئی اس کو تسلیم کرے کرے نہ کرے، اور نہ ہی ہم میں اور تجھ میں کوئی فرق تھا۔ سوات سے ہو کر آئے ہو۔ وہاں کے پہاڑ بلند اور خطرناک ہیں۔ اچھا اب جاؤ۔ سیاحی اختیار کرو۔ پھر ملیں گے۔ ہمیں یاد رکھنا۔ یہی صورت ظاہر اور باطن ہے، اسی میں سب کچھ ہے۔ محبت عین ایمان ہے"۔

وہ وہ ہیں جن پہ بیدم مفتوں ہے سارا عالم
تو ہی نہیں انوکھا کچھ جتلائے وارثؒ

حضرت محبت شاہ وارثیؒ کا پہلا سفر دیوئی شریف سے شروع ہوا۔ اس سفر کے حالات تو دستیاب نہیں ہو سکے مگر اس سفر میں آپؒ نے نجف اشرف روضہ اطہر حضرت علی مولا مشکل کشا اور پھر اس کے بعد روضہ اقدس حضرت امام حسین علیہ السلام پر جی بھر کے حاضریاں دیں۔ اسی سفر میں بغداد شریف حضرت پیران پیر غوث الاعظمؒ کے حضور بھی حاضری ہوئی اور مدینہ پاک میں نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضری دی۔ اس سفر کے دوران اگر کہیں راستہ بھٹک جاتے تو ایک آواز سنائی دیتی کہ ادھر نہیں، دوسرا راستہ ہے۔

چشم نابینا سے پردہ ہے تو کچھ بیجا نہیں
آنکھ والوں سے بھی وہ جان جہاں پوشیدہ ہے

آپ ادھر چل پڑتے اور منزل پا جاتے۔ مدینہ منورہ کے سفر میں حج کی سعادت

بھی نصیب ہوئی۔ وہاں کے لوگ ہم سے بہت محبت کرتے تھے۔ مدینہ شریف میں حضرت حاجی برہان الدین ماجد مکیؒ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مجھے حضرت سرکار عالم پناہؒ کی مہمانی کا شرف حاصل رہا ہے اور اس کے علاوہ میں آپؒ کا دامن گرفتہ بھی ہوں۔ آپؒ نے میری روحانی تعلیم بھی فرمائی تھی۔ اسی دوران میں ایک دن نماز فجر کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجی ماجد مکی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ میاں محبت شاہ وارثیؒ سے کہو کہ ہندوستان چلے جائیں اور سرکار عالم علیہ الرحمتہ ان کا انتظار فرما رہے ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "ایک نام کی نسبت سے محبت ہوتی ہے۔ اسی نام سے وحدت کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا محبت کرو۔ جس قدر بھی ہو سکے۔ اسی نام میں خدا کی صفات کو دیکھو۔ جس کا پرتو دوسرے وجود میں منعکس ہوتا ہے"۔ اسی شب میاں محبت شاہ وارثیؒ نے شب کو دیکھا کہ گنبد خضرا میں ایک روشنی نور کی آتی ہے اور ایک جاتی ہے جس سے تمام مدینہ شریف روشن ہو جاتا ہے۔ رنگ برنگ کی صورتیں جن کی آوازیں پرسوز ہیں سنائی دیتی ہیں اور ان کے حسن و جمال اور زرق برق لباس اس قدر خوبصورت ہیں کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ درود و سلام بلند آواز سے پڑھا جا رہا ہے۔ یہ تمام منظر ہم مسجد نبوی میں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔۔

پری پیکر نگارے سروے قدے لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائے کہ من بودم

اسی روز مجھے مدینہ شریف سے ہندوستان جانے کی اجازت بخشی گئی۔ اسی اثنا میں مشاہدہ ہوا کہ وہی صورت سامنے آئی جو زمانہ بچپن سے لگاؤ رکھے ہوئے تھی

اور یوں گویا ارشاد فرما رہی ہے۔ جدھر دیکھو گے سب محبت کا اثر ہے۔ بغیر محبت کے نہ ورد نہ نماز بلکہ سب بیکار ہیں۔ محبت میں کوئی دوری نہیں بلکہ ہر مقام قریب سے قریب تر ہے۔ اگر محبت میں زندگی برقرار رہی تو اسی میں حیات جاوداں ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرو اور اسی صورت کو دیکھا کرو۔ پھر فرمایا جاؤ اجازت ہے۔

صد شکر کہ دل آیا' آیا بھی تو پھر کس پر
جو خسرو خوباں ہے خاقان محبت ہے

مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر میاں محبت شاہ وارثی حجاز مقدس پہنچے اور وہاں سے بحری جہاز کا سفر اختیار کیا۔ اس بحری سفر میں سمندر میں ایسا زبردست طوفان آیا جس سے جہاز تباہ ہو گیا اور تمام مسافروں کی جانیں ضائع ہو گئیں مگر محبت شاہ وارثیؒ جہاز کے ایک تختہ کے سہارے پر بیٹھے رہے۔ جدھر ہوا کا رخ ہوا ادھر تختہ کو لے گئی۔ تقریباً" چالیس دن تک یہ تختہ پانی پر تیرتا رہا۔ عجیب قسم کی بے سروسامانی کا عالم تھا۔ خورد و نوش کہاں سے ہوتا۔ مگر یہاں بھی وہی صورت اپنا مشاہدہ کرا رہی ہے' باقاعدہ خوراک کا سامان مہیا کر رہی ہے۔

جدھر جدھر بھی گئے وہ کرم ہی کرتے گئے
کسی نے مانگا نہ مانگا وہ جھولی بھرتے گئے

اسی دوران طوفان سفر میں حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا برزخ قائم ہو گیا۔ ارشاد فرمایا کہ "اے پنجابی! تم محبت کے بادشاہ ہو۔ تمہاری محبت کی تکمیل ہو گئی۔ اب ہم تجھے ایک قصہ سناتے ہیں' اسے یاد اور ذہن نشین کر لینا ---
مائی رابعہ بصری صاحبہؒ جو حج کے سفر کو روانہ ہوئی تو ایک مختصر سامان ایک گدھے

پر لادا اور سوار ہو کر چل دیں۔ سامان کیا تھا۔ قرآن مجید' ایک کوزہ اور ایک
مصلّی تھا۔ ایک چھوٹا سا قافلہ کے ہمراہ سفر کا آغاز کیا۔ ابھی ایک منزل بھی طے
نہیں ہوئی تھی کہ گدھا بے چارہ بیمار ہوا اور مرگیا۔

تجھ سے امید کرم ہو گی جنھیں ہو گی
ہمیں تو دیکھنا ہے تو ظالم کہاں تک ہے (میاں بیدمؒ)

حضرت مائی رابعہ بصریؒ بہت پریشان ہوئی۔ دل میں خیال کیا کہ سفر کے لئے یہی
ایک آسرا تھا اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس پر قافلہ والوں نے کہا کہ ہم آپؒ
کا سامان لئے چلتے ہیں' آپؒ پریشان نہ ہوں۔ مدد کا لفظ سن کر انکار کر دیا اور
سر راہ بیٹھ گئی اور پھر اس کے بعد قافلہ روانہ ہو گیا۔ حضرت مائی صاحبہؒ نے
بارگاہ رب العالمین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور عرض کی اے پروردگار عالم! میرے
ساتھ اچھا سلوک کیا۔ ایک گدھا سفر کا سہارا تھا وہ بھی چھین لیا' ٹھیک ہے' میں
بھی اب یہیں بیٹھی رہوں گی' نہ واپس جاؤں گی اور نہ آگے بڑھوں گی۔ جب
تک گدھا زندہ نہ ہو گا' میں نہیں جاؤں گی۔ اے میرے مالک تو نے خود ہی حکم
فرمایا تھا کہ میرے خانہ کعبہ کی زیارت کرو۔ یہ تیری رضا تھی۔ اسی شکوہ شکایت
کے دوران گدھا دوبارہ زندہ ہو گیا۔ اس طرح سے آپؒ پھر سفر پر مناسک حج کے
لئے روانہ ہو گئیں۔ اتفاق سے حضرت ابراہیم ادھمؒ بھی حج کے لئے گئے ہوئے
تھے۔ وہ جب حرم شریف کے دروازہ پر پہنچے تو دروازہ حرم سے اندر دیکھا تو خانہ
کعبہ غائب تھا۔ بڑے پریشان ہوئے کہ شاید میری بینائی کام نہیں کر رہی۔ اس
لئے کعبہ شریف دکھائی نہیں دیتا۔ بہت روئے اور آہ و زاری کی۔ ندا آئی کہ
اے ابراہیمؒ پریشان نہ ہو۔ خانہ کعبہ موجود ہے۔ ابھی آ جائے گا۔ خانہ کعبہ

حضرت رابعہ بصریؒ کے استقبال اور پیش قدمی کے لئے گیا ہے۔ حضرت ابراہیم
کو حیرت ہوئی کہ حضرت رابعہ بصریؒ کے لئے خانہ کعبہ استقبال کو گیا اور میں
نے تو شاہی سلطنت ترک کر کے درویشی اختیار کی۔ اسی اثنا میں پھر ندا آئی کہ
"اے ابراہیمؒ اپنی سلطنت اور بادشاہت کو نہ یاد کیا کرو۔ یہاں محبت کے ترازو
میں محبت ہی تلتی ہے۔ سلطنت نہیں تلتی۔ یہ سب کچھ حضرت رابعہ بصریؒ کی
محبت کے تقاضے ہیں"۔ میاں محبت شاہ وارثیؒ جس صورت کا مشاہدہ کر رہے
تھے' اسی صورت پاک نے فرمایا! اے پنجابی! یہ تمہاری محبت کا تقاضا ہے۔ اگر
طوفان میں تم ڈوب گئے تو میں تمہیں نکال لوں گے اور بچا لوں گا۔ خداوند تعالیٰ
سے واپس مانگ لوں گا۔ حضرت رابعہ بصریؒ اپنا گدھا زندہ کرا سکتی ہے۔ کیا میں
اپنا غلام واپس نہیں لے سکتا۔ صبر اور تسلیم و رضا پر قائم رہو۔

بے سبب میرے ستانے پہ تلا رہتا ہے
ضد ہے بیدمؒ اُسے مجھ عاشق دلگیر کے ساتھ

اس قصے کو سماعت کرنے کے بعد ہوش و حواس اور اعصاب میں گویا مضبوطی
پیدا ہو گئی اور اس کے بعد ایک کنارہ دور سے دکھائی پڑا۔ آہستہ آہستہ وہ تختہ
کنارے پہنچ گیا۔ وہاں کنارے پر ایک مخلوق شاید میرے انتظار میں کھڑی تھی۔
وہ مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے انہوں نے میری ہر طرح سے خدمات سرانجام
دیں۔ پھر بعد میں پتہ چلا کہ یہ ملک شام ہے۔ وہاں کچھ مدت قیام کیا اور دوبارہ
ہندوستان کے لئے سفر اختیار کیا۔ تقریباً دسمبر ۱۹۰۲ء میں بعد از دوپہر میں دیوئی
شریف سرکار عالم پناہؒ کے در اقدس پر حاضر ہوا اور قدیم فقراء میں سے حاجی
نعمت شاہ وارثیؒ کے توسط سے جناب وارث پاکؒ کی خدمت بابرکت میں

حاضری کی سعادت حاصل کی۔

جناب نعمت شاہ وارثیؒ نے سرکار پاکؒ میں عرض کیا کہ یہ سیاحی کر کے آئے ہیں۔ سرکار پاک علیہ الرحمتہ نے فرمایا "پنجابی جاؤ بیٹھو۔ نعمت شاہ وارثیؒ کے پاس قیام کرنا۔ صبح ملاقات ہوگی"۔ میاں محبت شاہ وارثیؒ نے قدم بوسی کی سعادت حاصل کی اور نعمت شاہ وارثیؒ کے ہاں ٹھہرے۔ صبح نماز فجر کے بعد نعمت شاہ وارثیؒ کو سرکار پاکؒ سے ارشاد ہوا کہ پنجابی کو بلاؤ۔ لہٰذا آپؒ وارث عالم پناہؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ پھر آپؒ نے ایک احرام شریف استعمال شدہ اپنے دست کرم سے نکال کر سینہ اقدس سے لگا کر اپنے دست مبارک سے مجھ کو باندھ دیا۔ یہاں تک کہ کمر کی گانٹھ بھی اپنے ہی دست مبارک سے لگائی اور ارشادات فرمائے "یہی کفن ہے۔ کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ یاد رکھنا فقیر کہیں اور کسی مقام پر قیام نہیں کرتا۔ ہمیں یاد رکھنا۔ رضا آخر رضا ہے۔ باقی سب غلط ہے۔ بس جاؤ۔ سیاحت میں رہنا۔ اگر یہاں ملاقات نہ ہو سکی تو وہاں ملاقات ہوگی۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ نعمت شاہ وارثیؒ بولو کیا درست ہے۔ پھر نعمت شاہ وارثیؒ سے مخاطب ہوئے کہ ان کا نام محبت شاہ وارثیؒ ہے۔ یاد رکھنا پنجاب سے آئے ہیں۔ سب کو بتا دینا۔ بہت بھولے ہیں۔ منہ سے کچھ نہیں بولتے۔ صرف ایک ہی کو دیکھتے ہیں۔ انہوں نے وحدت کا وجود تلاش کر لیا ہے"۔

سینے میں چبھ کر نہ نکلے پھر کسی کے تیر ناز
آرزو بن کر مرے دل کی مرے دل میں رہے

آپؒ کو سفر کی اجازت اور رخصتی ہوگئی۔ جب آپؒ باہر تشریف لائے اہل دیوی

شریف نے آپؒ کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھا اور نعمت شاہ وارثیؒ نے سب سے کہا کہ سرکار عالم پناہؒ نے جس قدر گفتگو محبت شاہ وارثی سے محبت بھرے انداز میں گفتگو فرمائی ہے۔ کبھی کسی سے اتنا تکلم نہیں فرمایا۔ یہ ان پر خاص کرم ہے۔ نعمت شاہ وارثیؒ نے محبت شاہ وارثیؒ سے پوچھا "وحدت کا وجود آپؒ نے کیسے حاصل کیا"۔ انہوں نے کہا اے برادر! مجھے کیا معلوم۔ وحدت اور اس کا وجود کیا ہوتا ہے۔ میرے آقا نے جو فرمایا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ میں تو بچپن سے ہی اسی صورت کو پیش نظر اور مشاہدہ کرتا چلا آ رہا ہوں اور اسی صورت نے ہی میرے ساتھ نبھا کیا ہے اور یہاں تک پہنچایا ہے اور رسائی کی ہے اور میں کچھ نہیں جانتا۔

واللیل ہے کہ زلف معنبر حضور کی
یہ روئے پاک ہے کہ کلام مجید ہے
اک میں ہی کیا بتوں کا زمانہ شہید ہے
جو بندہ خدا ہے انہیں کا مرید ہے

اس کے بعد نعمت شاہ وارثیؒ نے پانچ روپے نذر کیے اور میں (محبت شاہ وارثیؒ) سفر پر روانہ ہو گیا۔ دیوی شریف سے میں بانسہ شریف آستانہ عالیہ شاہ عبدالرزاق رحمتہ اللہ علیہ پر حاضری دی اور پھر وہاں سے دہلی (بائیس خواجگان کی چوکھٹ) میں سب مزاروں پر حاضری دی اور زیارتیں کیں اور وہاں سے روانہ ہو کر اجمیر شریف حضرت نائب رسولؐ خواجہ جواجگان ہند الولی خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمتہ کے مزار اقدس پر حاضری دی اور سعادت سے مشرف ہوا۔ کچھ عرصہ آپؒ نے اجمیر شریف میں ہی قیام کیا۔ پھر

وہاں سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے۔ جہاں آپ کی ملاقات ایک تاجر اور برادر طریقت ابراہیم وارثی سے ہوئی۔ وہ آپؒ کو اپنے ہاں لے گئے اور چند دن اپنے پاس ٹھہرایا۔ بمبئی سے بحری جہاز پر سوار ہو کر حجاز مقدس کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب آپؒ جدہ پہنچے تو وہاں مختصر قیام کے بعد آپ مکہ معظمہ بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے۔ سخت گرمی کا موسم تھا مگر آپ برہنہ پا سفر کرتے رہے۔ ایک دن آپؒ حرم شریف کے باہر کھڑے تھے۔ ایک نوجوان عربی نے ملک اور مقام پتہ پوچھا۔ آپؒ نے جواب دیا کہ ہندوستان۔ پھر پوچھا کہاں ٹھہرے ہو۔ آپؒ نے فرمایا حرم پاک میں۔ پھر پوچھا کیا انتظام ہے۔ آپ نے کہا ہمارا سلسلہ عالیہ فقرا میں انتظام نہیں ہوتا۔ پھر اس عربی نے کھانے پر دعوت دی جو آپؒ نے قبول فرمائی۔ آپؒ اس عربی کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں اس کے گھر میں ایک ضعیف العمر بزرگ گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے رہتے تھے۔ صرف شب کو حرم پاک میں برائے ریاضت تشریف لے جاتے تھے اور صبح کے وقت گھر تشریف لے آتے اور تمام دن کسی سے نہیں ملتے تھے۔ مگر اس دن جب وہ گھر پہنچے تو کہنے لگے صالح! (عربی کا نام) آج تمہارے در و دیوار سے خوشبوئے محبت مہک رہی ہے۔ عربی نے کہا مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ ایک ہندوستانی بزرگ شب کو میرے ہاں برائے دعوت طعام تشریف لائے تھے۔ ابھی ابھی حرم پاک میں تشریف لے گئے ہیں۔ عجیب کیفیات کی شخصیت ہے۔ بغیر خورد و نوش رہتے ہیں۔ فقط ان کے بدن پر ایک زرد رنگ کا احرام ہوتا ہے۔ اس بزرگ نے صالح سے فرمایا اس کو تلاش کر کے لاؤ جلدی کرو۔ جب تک وہ نہ آئیں چشم براہ رہوں گا۔ لہٰذا صالح صاحب حرم شریف آئے تو دیکھا کہ آپؒ بیت اللہ

شریف کے طواف میں مصروف ہیں اور یہ بھی مشاہدہ کیا۔

قدم وہ رکھتے نہیں زمیں پہ نشاں کے لئے

الٹے پاؤں اپنے گھر آ کر اس گوشہ نشیں بزرگ جن کا اسم گرامی آصف بن عبداللہ تھا۔ سے سارا منظر جو دیکھا تھا' بیان کر دیا۔ انہوں نے دوبارہ صالح سے فرمایا "گھبراؤ نہیں' جاؤ اسے لے کر آؤ۔ وہ کچھ نہیں بولیں گے"۔ خیر! صالح صاحب دوبارہ پھر گئے تو مقام ابراہیمؑ پر مل گئے۔ ان سے اپنے گوشہ نشین بزرگ آصف بن عبداللہ کا پیغام دیا اور اپنے ساتھ لے کر آ گئے۔ آصف بن عبداللہ انتظار فرما رہے تھے' سامنے آئے' اٹھے اور بغل گیر ہو کر خیریت دریافت فرمائی۔ آصف بن عبداللہ عراقی نے اپنی کہانی اس طرح بیان کی کہ مجھے حضرت سید وارث علی شاہؒ نے یہاں بیٹھنے کا ارشاد فرمایا تھا کہ ہندوستان سے ہمارا ایک فقیر آئے گا اور اس کی نشانیاں بتلا کر یوں ارشاد فرمایا اور پھر اس کے ہمراہ مدینہ منورہ کا سفر اختیار کرنا۔ مجھے آپؒ کا انتظار کرتے کرتے دس سال گزر گئے ہیں۔ سرکار عالم پناہؒ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ ہمارا فقیر اسم اعظم کا ورد کرے گا اور اسی ورد میں طواف کعبتہ اللہ کرے گا۔ زمین کعبہ اس کو اپنی ہتھیلی پر اٹھائے گی۔ آج عرب صالح نے تمہارے متعلق خبر دی اور آپ کی اس مکان میں آمد کی اطلاع در و دیوار کی مہک نے کی۔ کیا آپؒ سرکار عالم پناہؒ کے فقیر ہیں اور میں بھی انہی کا دامن گرفتہ فقیر ہوں۔ اب فرمائیے کہاں کا ارادہ ہے؟ محبت شاہ وارثیؒ نے فرمایا مدینہ منورہ کا سفر کروں گا۔ اس کے بعد دونوں مصاحبین اکٹھے سفر پر روانہ ہو گئے۔ دوران سفر آصف بن عبداللہ نے دریافت فرمایا کہ شاہ صاحب اسم اعظم کسے کہتے ہیں اور آپؒ اس کا کس طرح ذکر کرتے ہیں۔

آپؒ نے فرمایا مجھے تو اس کا علم نہیں۔ میں اس قدر جانتا ہوں' ایک ہی نام ہے۔ ایک ہی صورت جو سرمایہ حیات ہے۔ ہم نے اس کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا۔

خواب میں دیکھا انہیں سوتے ہوئے جاگے، نصیب
پردے پردے میں علاج درد پنہاں ہو گیا

وہ جدھر جاتے ہیں میں ادھر جاتا ہوں' جہاں وہ ٹھہر جائیں وہاں ٹھہر جاتا ہوں۔ وہ اب بھی ساتھ ہے۔ اگر دیکھ سکو تو دیکھ لو' مگر اس کے ساتھ مدینہ منورہ ابھی ایک منزل دور تھا کہ آصف بن عبداللہ بیمار ہوئے اور ان کا وصال ہو گیا۔ میاں محبت شاہ وارثیؒ نے ان کی تجہیز و تدفین کی اور فرمایا کہ سرکار کے خاص فقیر اور سیف زبان تھے۔ انہیں کھانا غیب سے ملتا تھا اور ان کے وصال پر غیبی مخلوق آئی تھی۔ سپردِ خاک کرنے کے بعد پرواز کر گئی۔

شعر: حشر کر کے آپ جاتے ہیں جایئے مگر
یہ تو بتاتے جایئے درد جگر کو کیا کہوں

پھر میں (محبت شاہ وارثیؒ) مدینہ شریف کی طرف روضہ اطہر کی زیارت و حاضری کے لئے روانہ ہو گیا۔ دو ماہ دس دن تک مدینۃ النبیؐ میں قیام کیا۔

تیری جناب مقدس میں اے رسول کریمؐ
قبول میرا بھی درود و سلام ہو جائے

پھر بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجف اشرف برائے زیارت و حاضری مولائے کائنات کے روضہ اقدس کے لئے روانہ ہو گیا۔ راہیں بہت کٹھن تھیں مگر جناب پیشوائے برحق ساتھ ساتھ رہے کئی دن کی مسافت کے بعد نجف

اشرف برائے زیارت و حاضری مولائے کائنات مشکل کشا کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور کائنات کی سیر ہو گئی۔ اور ہر قسم کے علوم حصول ہوئے۔ بعض حضرات ایسے ملے جنہوں نے ہماری مہمانی میں بحکم حضرت مولائے کائنات قسم قسم کے خورونوش کا سامان مہیا کیا۔ یہاں پر ایک ماہ قیام کیا۔ پھر بحکم مولائے کائنات اور پیغام سلام کے ساتھ کربلائے معلیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ اقدس پر حاضری دی اور فرمایا جب میں (محبت شاہ وارثیؒ) دروازہ پر پہنچا تو دربان نے اندر جانے سے روکا اور کہا پہلے نذرانہ پیش کرو ورنہ یہاں سے نکل جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میں فقیر آدمی ہوں مگر انہوں نے کچھ پرواہ نہیں کی۔۔

یہ کیا فرقت میں ان کی یاد نے سلوک
بیٹھے بٹھلائے جگر میں درد پیدا کر دیا

میں پریشان ہوا کہ اب کیا ہو گا۔ کیسے جاؤں اور کیسے پیغام سلام پہنچاؤں۔ یہ میرے پاس امانت ہے۔ اب تو امام پاک عالی مقام خود ہی رہبری فرمائیں تو بات بنے گی۔

بجا ہے غیر اچھا غیر کی ہر آرزو اچھی
نہ میں اچھا نہ کچھ اچھی مرے دل کی تمنا ہے
وہ آئیں تو جو کانٹا سا کھٹکتا نکل جائے
یہ نشتر ہے مرے پہلو میں یا دل کی تمنا ہے
تری چوکھٹ ہو میرا سر ہو سجدے ہوں بجنت کے
یہی اے قبلہ عالم مرے دل کی تمنا ہے

اس خیال کے آتے ہی ایک حسین و جمیل نوجوان گھوڑے پر سوار میرے قریب آ کر رکا اور مجھ سے مصافحہ کیا اور اس نے پوچھا ہندوستان سے آئے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ انہوں نے چند سکے رائج الوقت میرے ہاتھوں میں دے کر کہا یہ لے لو اور روضہ مبارک کے اندر جا کر حاضری دو۔ یہ لوگ لالچی ہیں۔ میں واپس مڑا اور سب سکے دربان کو دے دیئے۔ اس نے خوش ہو کر اندر جانے کی اجازت دے دی۔ حاضری کے دوران مجھ ناقص کو خیال آیا کہ یہ کتنا بڑا مقام ہے اور یہاں کے دربان ایسے ہیں۔ ندا آئی کہ تمہیں کس قسم کی پریشانی ہوئی؟ ہم نے شرف ملاقات بخشا' اندر بلا لیا۔ ان کی بات نہ کرو' تم اپنی کہو۔ میں زندہ ہوں' مردہ نہیں۔ تم بتاؤ۔ حضرت حاجی وارث علی شاہؒ خیریت سے ہیں۔ جب تمام کچھ سن چکا تو ہوش و حواس جاتے رہے اور اپنی ناقص سمجھ پر افسوس ہوا۔ اسی وقت حضرت سرکار پاک علیہ الرحمتہ کا قول یاد آ گیا۔ محبت شاہ محبت کے سوا کیا مانگو گے۔ یہاں پر پھر شہنشاہ نے میری رہنمائی فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ حضور بس اپنی محبت بخشیے اور میری تقدیر چمکا دیں۔

ع! سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اس کے بعد ندا آئی' چند دن ہمارے پاس قیام کرو۔ سب کچھ مل جائے گا۔ اس کی چنتا نہ کریں۔ پھر میں نے مولائے کائنات کا سلام محبت پیش کیا۔ ندا آئی۔ تم خوش نصیب ہو۔

میں ان کی بندہ نوازی پہ کیوں نہ ناز کروں
سہارا ان کا رہا دن میرے گزرتے گئے

حضرت حاجی صاحب وارث پاکؒ ہمارے پاس پہنچ گئے ہیں۔ اب تم ہمارے

مہمان ہو۔ سب کچھ عطا ہو گا۔ مانگنے کی ضرورت نہیں۔ میاں محبت شاہ وارثی" کہتے ہیں میں' حسب معمول کربلائے معلیٰ کی زیارتیں اور حاضری دیتا رہا۔ اسی طرح ایک ماہ گزر گیا۔ آخری شب کو حضور امامؑ عالی مقام نے زیارت پاک سے مشرف فرمایا تو پتہ چلا کہ یہی وہ پاک ہستی ہے جنہوں نے پہلے دن چند سکے عطا فرمائے تھے۔ میں صدقے جاؤں یہ سب اعجاز حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کا ہے۔ پھر اس کے بعد آخری ارشاد فرمایا! اے درویش! تو ہمیشہ اسی صورت کو دیکھ جو تیرے قریب ہے۔ اسی صورت میں سب کچھ پائے گا۔ جاؤ پابند صوم و صلوۃ رہنا جو مل جائے انکار نہ کرنا' کسی کے آگے ہاتھ نہ بڑھانا۔ چیزوں کی طلب ایک عاشق کے لئے آداب عشق کے خلاف ہے۔ جدھر دیکھو وہی مطلوب پیش نظر رہے۔ اس کے بعد بحکم سرکار نواسہ رسولؐ سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس سفر میں ملک شام کے صحرا نوردی کی سیر کی اور ملک شام کے کوہساروں' صحراؤں سے گزر کر عراق کے ریگستانوں میں پہنچ گیا۔ یہاں ان ریگستانوں میں میرے خیال میں کوئی آدم زاد نہ گیا ہو گا۔ وہاں پر عجیب قسم کی مخلوق سے واسطہ پڑا۔ بظاہر ان کے رہنے سہنے کے کوئی جگہ نہ مکانات تھے۔ وہ لباس سے بے نیاز تھے۔ وہ مخلوق خدا مجھے دیکھ کر میرے گرد جمع ہو گئی اور اپنی زبان میں تکلم و گفتگو کرتی تھی۔ مگر یہ باتیں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ وہ شب کو ایک قسم کا پھل لا کر دیتے جو نہایت لذیذ اور ذائقہ میں شیریں ہوتا تھا۔ ہم جو کچھ انہیں کہتے وہ ہنس دیتے اور خاموش ہو جاتے۔

یک دن میں نے دیکھا کہ سورج طلوع ہو رہا تھا اور اس کے اندر ایک حسین و جمیل صورت جلوہ افروز ہو رہی ہے۔ اور وہ صورت ایسی تھی کہ دیکھا

کرے کوئی۔

ع! دل ہزاروں کے تیری بھولی ادائیں لیں گی
حسرتیں چاہنے والوں کی بلائیں لیں گی

سورج جب تک دکھائی دیتا وہ صورت بھی جلوہ نما رہتی۔ جب سورج غروب ہو جاتا تو صورت بھی غائب ہو جاتی۔ رات بے چینی سے گزرتی۔ دل تمنائی تھا کہ وہ صورت ہر وقت روبرو رہے اور سورج طلوع ہونے کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتا رہتا۔ راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔

یہ سورج دیکھنے کا تماشا بارہ سال دو ماہ تک جاری رہا۔ سورج میں اس صورت کی جلوہ نمائی اس حد تک اثر انداز ہوئی کہ دن بھر اس سے گفتگو ہوتی رہتی۔ دل بہلتا رہا اور سوال و جواب ہوتے رہتے۔ مگر آداب محبت کی حد سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ ایک مزے کی بات یہ بھی تھی کہ اس طویل عرصہ میں خوردونوش ترک رہا۔ آخر ایک دن اس صحرائے نوردی سے نکل کر دوسرے ملک میں داخل ہوا مگر وہ شمسی دل موہ لینے والی صورت زیبا مسلسل پیش نظر رہی۔ چلتے چلتے ایک بڑے شہر میں داخل ہوئے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ روم ہے۔

ع! تیری زلف و رخ کا فریفتہ کہیں صبح ہے کہیں شام ہے

شب کو بھی اسی ورد محبت کے چکر میں پھرتے پھرتے رات گزر جاتی۔ دن کو اسی صورت زیبا سے روحانی مسرتیں حاصل کرتے۔ جب ہم سورج کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے تو ایک مخلوق جمع ہو جاتی۔۔

دن کو اسی سے روشنی شب کو اس سے چاندنی

سچ تو یہ ہے کہ روئے یار شمس بھی ہے قمر بھی ہے (بیدم وارثی)

لوگ مجھے پاگل کہتے تھے کہ یہ فقیر سورج کی طرف منہ کر کے گفتگو نہ جانے کس کے ساتھ کرتا رہتا ہے۔ ایک دن ندا آئی کہ یہاں پر حضرت مولانا روم علیہ الرحمتہ کا مزار اقدس ہے، وہاں جاؤ اور حاضری کی سعادت حاصل کرو۔ یہاں پر میری ملاقات حضرت حسین مدنی "شیخ وقت صاحب نظر اور متولی مزار تھے، سے ہوئی۔ جب مجھ پر ان کی نظر پڑی اور مجھے فقیری لباس زیب تن کئے ہوئے دیکھ کر اپنی نشست گاہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور معانقہ کیا۔ پھر فرمایا کہ حضرت قبلہ حاجی وارث پاک علیہ الرحمتہ نے تمہیں یہاں کی حاضری کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ آپؒ نے فرمایا "جی ہاں! وہ جہاں چاہتے ہیں ارشاد فرما دیتے ہیں"۔۔

اس کے بعد اور باتیں بھی ہوئیں۔ حضرت حسین مدنی" نے اپنا تعارف یوں کرایا۔ میرا نام حسین ہے، مدینہ منورہ کا رہنے والا ہوں۔ حضرت رسالت ماب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد عالی پر یہاں پر بغرض ادائیگی فرائض خدمات مزار اقدس فرمایا تھا۔ گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مجھے یہاں پر پانچ سال کا عرصہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہ علیہ الرحمتہ کا دامن گرفتہ ہو کر سعادت دارین حاصل کی ہے۔ بلکہ میرے خاندان پر حضرت صاحبؒ کی بہت نوازشیں ہیں اور بندہ پروری فرما رہے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک عرصہ کے بعد مجھے وارثی فقیر دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میری حوصلہ افزائی کریں اور چند دن میرے پاس قیام فرمائیں۔ میاں محبت شاہ وارثی" نے

ان پر مہربانی کی نظر کرم فرمائی اور کچھ دن وہاں قیام کیا۔ اور پھر وہاں سے آگے جانے کا سفر اختیار کیا اور چلتے چلتے سرزمین طرابلس پہنچے۔ وہاں پر تمام مزارات پر برابر حاضریاں ہوتی رہیں۔ مسجد قرطبہ میں بھی نمازیں ادا کرتے رہے۔

اس مقام پر میری (محبت شاہ وارثیؒ) ملاقات ایک بزرگ پراسرار شخصیت مولوی امینؒ سے ہوئی جو طے کے روزے رکھتے تھے۔ حافظ قرآن پاک تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ایک سو دس سال کی ہوگی۔ سیاحت پسند تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے تقریباً ہر پیغمبر اور رسول کے مزار اقدس پر حاضری دی ہے۔۔

آئینہ خانہ بنی جلوہ گہ ناز تیری
تیرا حیرت زدہ آپ اپنا تماشائی ہے (بیدم وارثی)

عرب و عجم کی سیر کی ہے اور تمہارے مرشد برحق حضرت وارث پاک علیہ الرحمتہ کے دست حق پرست پر بیعت سے مشرف ہوا ہوں۔ ویسے میری نسبت حضرت پیران پیر دستگیر غوث الاعظمؒ سے ہے مگر میں حضرت وارث عالم پناہ علیہ الرحمتہ کے ارشاد سے چالیس سال سے صائم الدہر ہوں اور یہ بھی کرم پہ کرم ہے کہ روزہ قضا نہیں ہوا۔ قوت سماعت اور بینائی وغیرہ ہر طرح سے درست ہیں۔ شب کو بعد از تناول طعام دونوں بزرگ الگ الگ اپنے اپنے حجروں میں استراحت / ریاضت کے لئے چلے گئے۔

کوئی کہہ کر انہیں سمجھائے تو کیونکر سمجھائے
قابل دید ہماری شب تنہائی ہے

حضرت امین صاحبؒ کے ذکر کا یہ عالم تھا کہ ذکر کرتے وقت زمین جنبش کرتی

تھی۔ میاں محبت شاہ وارثیؒ فرماتے ہیں کہ ایک شب ہم نے چھپ کر مشاہدہ کیا تو بوقت ذکر ان کی ہیئت تبدیل ہو جاتی تھی۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے خود ہی زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ کہیں یہ خیال آپ کے ذہن میں نہ سمائے کہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں ہے۔ جسے یہ عطا و بخشش ہے وہ سب کچھ جان لیتا ہے۔ اس بارے میں اتنا ہی عرض کروں گا۔ یہ ذکر اذکار سب سرکار عالم پناہ الرحمتہ کا بتایا ہوا ہے۔ اس در سے جو کچھ کوئی طلب کرتا ہے اس کو ضرور ملتا ہے۔ کوئی اپنا دل نہ چھوٹا کرے۔ وہ تو پنجتن پاک علیہ السلام کا خزانہ ہے۔ گھر کی دولت ہے۔۔

جھولیاں سب کی بھری جاتی ہیں
مگر دینے والا نظر نہیں آتا

محبت شاہ وارثیؒ نے عرض کیا "حضرت صاحب! اس ذکر کی تھوڑی سی تمہید ہی بیان کر دیں۔ آپؒ کا ذکر کس حد تک ترقی کر گیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "میں جب دیویٰ شریف حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ حضور ایسا ذکر بتا دیجئے جس کو پہلے آپ نے کسی کو تعلیم فرمایا ہو نہ آئندہ کسی کو تعلیم فرمائیں گے"۔ سرکارؒ نے فرمایا کہ حسین! ایسا مت کہو، مخلوق کا فیض نہ روکو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں مگر ایک شرط ہے، طے کا روزہ رکھو، ذکر کرو گے تو روزہ رکھنا پڑے گا۔ جب تک روزہ برقرار رہے گا، ذکر بھی جاری رہے گا ورنہ فیض ختم ہو جائے گا اور تم بھی ختم ہو جاؤ گے۔ بہرحال حضرت سرکار پاکؒ نے کلمہ پاک کے ذکر کا طریقہ خود ذکر کر کے بتایا جسے میں بروقت نہیں کر سکا اور میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ جب سرکار پاکؒ ذکر کرتے تھے تو نور کا ایک ہالہ زمین اور آسمان کے درمیان آتا جاتا تھا۔

جب ذکر ختم ہوا تو مجھے ہوش نہیں تھا۔ جب ذرا ہوش آیا تو میں نے اپنے آپؒ کو ایک حجرہ میں پایا۔ اس کے بعد سرکار پاکؒ نے یاد فرمایا تو میں خدمت میں حاضر ہوا تو مجھے فرمایا "حسین! تم نے ذکر دیکھا۔ اب کرو گے"۔ میں نے عرض کیا "آپ کی نظر کرم سے، ورنہ نہیں"۔ حضور نے فرمایا۔ جاؤ! تمہیں اجازت ہے، مگر روزے سے رہنا، تین دن کے بعد افطار کرنا، ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے"۔

لئے بیٹھا ہوں میں اپنا دل صد پارہ محفل میں
کوئی اک دل سے شامل ہو تو میں سو دل سے شامل ہوں

پھر حسین مدنیؒ نے کہا، ذکر جاری رکھے ہوئے چالیس سال کا ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس ذکر میں فنا اور بقا دونوں مقامات پائے جاتے ہیں۔ میرا ذکر و شغل برقرار ہے۔ اسی کے اندر غذا، حیات اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کی ملاقات، خدا کا مظہر ہونا بھی اسی ذکر میں ہے، زمین اور ساتوں آسمان کی سیر بھی شامل ہے۔ محبت شاہ وارثیؒ "آپ پہلے واجب الاحترام شخص" ہیں جن سے میں نے اپنے دل کا راز افشا کر دیا۔ گھبراؤ مت۔ محبت میں سب کچھ ہے"۔

زرد رنگ کا بیان (احادیث کی روشنی میں)

۱: سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم (مرغوب رنگ) کو رنگوں میں زرد رنگ بہت پسند تھا۔ حدیثوں میں ہے کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے، سیرت النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) علامہ شبلی نعمانی معہ اضافہ تکملہ از سید سلیمان ندوی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ مطبع معارف شہر اعظم گڑھ۔ حصہ اول۔ ص ۱۶۱

۲: وعن ابن عمرؓ انہ کانہ یصفر لحیتہ بالصفرۃ حتی یمتلاء ثیابہ من الصفرۃ فقیل لما تصبغ بالصفرۃ، قال انی رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُصبَغ بھا ولم یکن شئی احب الیہ منھا وکان یصبغ بھا ثیابہ کلھا حتی عمامتہ۔ رواہ ابوداؤد و نسائی، مشکوۃ شریف۔ کتاب اللباس۔

(ترجمہ) روایت ہے حضرت ابن عمرؓ سے کہ وہ رنگتے تھے اپنی داڑھی ساتھ زردی کے یہاں تک کہ بھرتے کپڑے ان کے زردی سے، پس کہا گیا واسطے ان کے کہ کیوں رنگتے ہو زردی سے؟ کہا تحقیق دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ رنگتے تھے داڑھی ساتھ زردی کے، یعنی داڑھی اور نہ تھی کوئی چیز محبوب طرف حضرت کے زردی سے، اور تحقیق ہے۔ حضرت رنگتے تھے ساتھ زردی کے کپڑے اپنے سب یہاں تک کہ پگڑی بھی۔ نقل کی ابوداؤد اور نسائی نے۔

مظاہر حق مشکوۃ جلد سویم کتاب اللباس۔ ص ۴۳۲

۳: عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ چار باتیں ایسی کرتے ہیں جو دیگر صحابہ کو کرتے میں نے نہیں دیکھا' ابن عمرؓ نے فرمایا "ابن جریج وہ کیا امور ہیں"۔ ابن جریج نے کہا کہ کیا آپ ارکان میں صرف دو یمانی رکنوں کو بوسہ دیتے ہیں اور دھوڑی کا جوتہ پہنتے ہیں اور زرد رنگ کا خضاب لگاتے ہیں اور جب آپ کے میں ہوتے ہیں تو اور لوگ چاند دیکھتے ہی احرام باندھ لیتے ہیں مگر آج جب تک (تلبیہ کا دن) یعنی ۸ ذی الحجہ نہ آئے احرام نہیں باندھتے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "یمانی رکنوں کو چومنے اور بوسہ دینے کی تو یہ وجہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں دو یمانی رکنوں کو بوسہ دیتے دیکھا ہے اور دھوڑی کی جوتیاں پہننے کی یہی وجہ ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دھوڑی کی جوتیاں پہنتے تھے' جن پر بال نہ ہوتے تھے اور وضو کر کے ان میں پاؤں رکھتے تھے' لہٰذا میں بھی انہیں کو پہننا پسند کرتا ہوں۔ اور زرد خضاب کی بابت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زرد رنگ کا خضاب لگاتے تھے' لہٰذا میں بھی زرد خضاب لگاتا ہوں اور احرام کی وجہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت احرام باندھتے تھے جب آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر کھڑی ہو جاتی تھی"۔ کتاب اللباس۔ جلد نمبر۳۔ میری بخاری شریف

۴: یہ سند امام بخاری صاحب رحمتہ اللہ کا ہے اور یہی حدیث بعینہ ہے جسے مسلمؒ صاحب نے لباس ثابت کیا ہے۔ مسلم شریف جلد اول۔ ص ۳۵۳'

حدیث نمبر ۲۶۲۲

۵: صاحب تیسیر القاری نے جو ازالوں کی بحث میں زرد رنگ کی نسبت لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عباسؓ گفتہ ایں بہترین رنگہاست' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوست می داشت آنرا کہ رنگ میکرو'

بخاری شریف میں زرد رنگ کی نسبت **وانمتک تصبغ بالصفرة** آپ زرد رنگ استعمال کرتے تھے۔

فرمایا ابن عمرؓ نے کہ زرد رنگ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زرد رنگ استعمال کرتے دیکھا رسولؐ کو۔ پس **فانا اصبغُ بِهاَ** پس میں زرد رنگ کو دوست رکھتا ہوں۔ بخاری شریف۔ کتاب اللباس۔ جلد ۳۔ ص ۱۷۵۔ حدیث ۸۴۵

☆ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو زعفران لگانے سے منع فرمایا ہے۔ زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہننے کا حکم کیا ہے۔ (بخاری جلد ۳ صفحہ ۱۷۵۔ حدیث نمبر ۸۴۰)

☆ "بال کا مسئلہ" حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈھوں تک پہنچتے تھے' حدیث ۸۹۸' بخاری۔ جلد سوم

☆ مسلم۔ جلد اول۔ کتاب الحج۔ ص ۱۹۳

○ جندبہ بن عبداللہؓ زرد کپڑا سر پر اوڑھے ہوئے آئے

○ مسلم اردو جلد اول۔ ص ۱۹۴۰

○ مسلم عربی مترجم جلد اول۔ ص ۱۹۴

☆ حضرت فضل بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس آیا۔ آپ کی اس بیماری میں جس میں آپ کا وصال ہوا، آپ کے سر پر ایک پٹی لپٹی ہوئی تھی، زرد رنگ کی، پس میں نے سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فضلؓ" میں نے عرض کیا "حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس پٹی سے میرا سر خوب زور سے باندھو۔ میں نے ایسا ہی کیا، پھر، آپ بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے اپنی ہتھیلی میرے کندھے پر رکھا، پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور مسجد میں آئے۔ شمائل شریف ترمذی اردو ص ۲۳۸

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو نکتہ چینوں کو بھی اعتراف ہے کہ آپ کا عمومی لباس یہی حلّہ تھا، نیز روایات صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا لباس بھی حلّہ ہی تھا۔ چنانچہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں ان کے لباس کے بارے میں صریح ہے۔ بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام تم میں نازل ہوں گے۔ جب تم انھیں دیکھو تو ان کے علامات سے پہچان لینا کہ وہ سرخ سفید رنگ ہوں گے، اور ان کے بدن پر دو چادریں زرد رنگ کی ہوں گی۔ نیز اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس بھی حلہ ہی تھا۔ چنانچہ فاروق اعظمؓ کا فرمان آپ دیکھ چکے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں۔ ازار روا استعمال کرو اور اپنے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس ضروری سمجھو، نیز ابراہیم علیہ السلام کا لباس بھی حلّہ ہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ افعالِ حج درحقیقت افعالِ ابراہیمی کی نقل ہے۔ احرام جو حلّہ ہے واجبات مناسک میں سے ہے۔ گویا امت مسلمہ کے ہر شاہ و گدا پر لازم کر دیا گیا کہ کم سے کم ایک دفعہ عمر بھر میں لباس میں بھی ابراہیم علیہ السلام کی اقتدا کریں تو کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ انبیاء علیہ السلام کی دنیا ہی میں اہلِ جنت روتیہ اختیار کر لیں، فرمالیں کہ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت

میں مقیم رہتے ہیں۔ "التشبّہ فی الاسلام" ۱۹۴۶ء ۱۳۶۵ھ مصنف قاری محمد طیب صاحب، دیوبند۔

☆ صحیح بخاری و مسلم میں منقول ہے کہ عبید بن جریجؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ چار ایسی باتیں کرتے ہیں جو اوروں کو کرتے میں نہیں دیکھتا، ازاں جملہ ایک بات یہ ہے **رایتک تصبغ بھا** آپ زرد رنگ استعمال کرتے ہیں، یعنی زرد رنگ کا لباس پہنتے ہیں تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا "زرد رنگ استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے **فانی رایت رسول اللہ یصبغ بھا** تحقیق میں نے دیکھا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رزد رنگ استعمال کرتے **فاحب ان اَصْبغُ بھا** پس میں زرد رنگ کو دوست رکھتا ہوں۔ بخاری شریف جلد ۳۔ کتاب اللباس۔ ص ۱۷۵ اور مسلم جلد اول۔ کتاب الحج۔ ص ۱۹۳"

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زعفرانی اور زرد رنگ کے کپڑے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر مرغوب تھے کہ پرانے ہونے پر بھی انھیں جسم اقدس سے جدا نہیں فرماتے تھے اور زمانہ وفات شریف کے قریب جو پٹی سر مبارک سے بندھی تھی وہ بھی زرد رنگ کی تھی۔

مسئلہ گیسو

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اہل کتاب بالوں کو لٹکاتے اور مشرک لوگ بالوں کے درمیان مانگ نکال کر دو حصہ میں رکھتے تھے، یعنی دائیں بائیں، اور جن باتوں کے متعلق احکام نازل نہیں ہوئے تھے ان میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم اہلِ کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھی بالوں کو پیشانی پر ڈال لیا تھا، لیکن اس کے بعد دونوں شانوں پر رکھتے
تھے۔

حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے لال جوڑے میں کسی لمبے بال
والے کو رسولؐ اللہ سے زیادہ حسین و جمیل نہیں دیکھا، آپؐ سرخ جوڑے میں
نہایت حسین معلوم ہوتے تھے، آپ کے بال آپ کے دونوں مونڈھوں پر پڑے
رہتے تھے اور آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان بڑی اور لمبی تھی۔ نہ آپ
پستہ قد تھے اور نہ لمبے۔ حدیث حسن صحیح ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال ما رایت ذی اللمۃ احسن فی حلتہ حمراء من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعرہ یضرب منکبیہ بعید ما بین المنکبین لیس با الطویل ولا با القصیر

صحیح ترمذی شریف جلد دوم۔ ص ۶۷۷ و مظاہر حق جلد چہارم۔ ص ۵۰۷۔

قتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے بال کیسے تھے؟ انہوں نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ تو
بالکل گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے، دونوں کانوں اور کاندھوں کے
درمیان پڑے رہتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈھوں سے لگے
رہتے تھے"۔ بخاری جلد دوم۔ ص ۱۹۷۔ مسلم۔ جلد دوم۔ ص ۳۳۴

حضرت ام ہانی بنت ابوطالب سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ
والتسلیم ہمارے پاس مکہ میں آئے اور ایک دفعہ (بروز فتح مکہ) آپ کے چار
گیسو تھے، گندھے ہوئے (چار لٹیں تھیں کہ دو دائیں طرف اور دو بائیں طرف

تھیں) روایت کی۔ یہ احمدؒ ابوداؤدؒ اور ترمذی اور ابن ماجہ سے مظاہر حق جلد
کتاب اللباس۔ ص ۴۳۶۔ ترمذی شریف جلد ۳ یعنی شمائل ترمذی۔

مولانا احمد رضا خان صاحبؒ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں کہ
شانوں تک گیسو جائز ہے بلکہ سنت سے ثابت ہے، یہاں تک ٹھیک ہے (آگے
غور طلب ہے) لکھتے ہیں کہ شانوں سے نیچے بال کرنا عورتوں سے خاص اور
مردوں کو حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المشبھین النساء، واللہ تعالیٰ اعلم۔ احکامِ شریعت۔ ص ۷۶

والمشبہات من النساء بالرجال۔ (رواہ البخاری)

یعنی اللہ نے لعنت کی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شکل بنتے ہیں اور ان
عورتوں پر جو مردوں کی شکل بنتی ہے۔ بخاری جلد ۳۔ ص ۱۸۰ مظاہر حق۔ جلد
۳۔ ص ۴۳۲۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب جمشید پوری نے لکھا ہے کہ
"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک کچھ بل کھائے ہوئے تھے، جو
اکثر کندھے تک لٹکے رہتے تھے اور جب کبھی چہرہ انور پر بکھر جاتے تو **والضحیٰ
واللیل اذا سجی**" کی تفسیر بن جاتے تھے۔ انوار الحدیث۔ ص ۳۸۱

حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
سر کے بال اکثر شانوں تک لٹکتے رہتے تھے، فتح مکہ میں لوگوں نے دیکھا تو شانوں
پر چار گیسو پڑے تھے، "سیرۃ النبیؐ۔ جلد ۳۔ صف ۱۹۸

روایت ہے ابوقتادہؓ سے کہ **قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**

ان لی جمتہ انا رجلها قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم وَاکْرِمْهاَ قال فکان ابو قتادة ربها و دهنهافِی الیوم مرتین من اجل قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم و اکرمها (رواہ مالک)

عرض کی ابو قتادہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میرے بال مونڈھوں تک ہیں' آیا پس کنگھی کروں؟ سرکار نے فرمایا "ہاں' اور تعظیم کرو ان کی"۔ ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اکثر تیل لگاتے بالوں کو ایک دن میں دو بار بہ سبب فرمان سرکارؐ کے کہ تعظیم کرو ان کی (نقل کی یہ مالک نے) مظاہر حق جلد ۳۔ کتاب اللباس۔ ص ۴۳۵۔ ۴۳۶

یہ بات یعنی حدیث غور طلب ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ کے بال کندھوں تک تھے اور حضرت رسول پاکؐ سے عرض کیا کہ میں ان میں کنگھی کروں تو سرکارؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کو کٹوا دو' یہ ناجائز ہے اور حرام ہے اور میری امت میں ایسے بھی علماء پیدا ہوں گے جو لمبے بالوں کو حرام قرار دیں گے' بلکہ یہ فرمایا کہ ہاں کنگھی کرو اور ان کی تعظیم کرو۔ اس لئے ابو قتادہؓ اس کے بعد بالوں میں ایک دن میں دو بار تیل لگاتے تھے کہ سرکارؐ نے فرمایا ہے اب دو بار تیل لگانا اور تعظیم کرنا سنتِ صحابہؓ ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی "فتاویٰ رشیدیہ" (کاکلوں کا حکم)

سوال: بال سر کے گردن کے نیچے لٹکا لینا جن کو کاکلیں بھی کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اور کاکلوں کو جو فعل یہود اور منع حدیث ہیں۔ فرمایا کیا معنی؟ اور بالوں کو کانوں سے نیچے رکھنا جو سنت سے ثابت ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کاکل معنی فعل یہود اور مشابہت عورات سے ہیں یا نہیں؟

جواب: بال سر کے جہاں تک چاہے بڑھائے درست ہے مگر بعض حصہ سر منڈوانا اور بعض حصہ رکھنا یہ مشابہت یہود ہے' اور تمام سر کے بال بڑھانا یہ کاکل ہے اور جائز ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ۔ کامل صفحہ ۴۶۸۔ طابع عارف سید مطبع سعیدی قرآن محل کراچی

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال' مونڈھوں تک پہنچتے تھے۔ حدیث ۹۸۔ بخاری شریف۔ جلد ۳

صبح وطن پہ شام غریباں کو دوں شرف\
بیکس نواز گیسوؤں والا کہوں تجھے

یاد گیسو' ذکر حق سے آہ کر\
تو دل میں پیدا لام ہو ہی جائے گا

(اعلیٰ حضرتؒ)

آدابِ رہبراں

اربابِ محققین و حضرات عارفین نے بکمال صراحت یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ مرید خوش عقیدت کو اپنے پیرِ طریقت کی محبت صادقہ و ارادتِ کاملہ کے ساتھ مخصوص طور پر مراعات آداب صحبت شیخ کی محافظت بھی لازمات بلکہ واجبات سے ہے۔ کیونکہ شیخ کامل ہمیشہ دعوت خلق بہ طریق متابعت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے۔ مصداق

الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ

یعنی شیخ طریقت کی اپنی قوم میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو نبیؐ کی امت میں ہوتی ہے۔

چنانچہ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیائے مقتدمین کے اثرات صحبت و فیضان باطنی سے ہمیشہ وہی مریدین جلد متاثر اور فائز المرام ہوئے جو بحضور مرشد کامل حسن ادب ظاہری و باطنی سے زیادہ مزین و مؤدب تھے۔ بقول۔

باگدایان در میکدہ اے سالک راہ
باادب باش گر ازسرِ خدا آگاہی

اور حضرات صوفیہ کرام نے مدارج ادب کی بھی صراحت کردی ہے اور فرمایا ہے کہ ادب شیخ دونوع پر منقسم ہے۔ اول صوری جو اقوال و افعال سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوم ادب معنوی جس کا تعلق اخلاق و احوال سے ہے۔ بعدۂ ہر دو اقسام کے مراتب و مدارج کا ذکر کیا ہے اور ادب ظاہری کے متعدد صفات نقل فرماکر ادب باطنی کے اقسام بکمال صراحت تسطیر فرمائے ہیں۔

چنانچہ شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف المعارف میں نہایت شرح وبسیط کے ساتھ لکھا ہے کہ ادب معنوی کے پندرہ درجات ہیں۔ جن کی نگہداشت مرید صادق کو لازمات سے ہے اور مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز نے اپنی مثنوی شریف میں ادب معنوی کے سات اقسام تحریر فرمائے ہیں کہ بغیران کی تکمیل کے طالب راہِ حق کی تعمیل محال ہے۔

لیکن نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو ہردو محققین کے ارشادات میں باوجود بہ لحاظ تعداد مدارج بظاہر کافی تفاوت معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت مضمون و مفہوم دونوں بزرگوں کی تحقیقات کا مرادف ہے۔ صرف طرزِ تحریر کا جداگانہ انداز ہے کہ حضرت سہروردیؒ نے گونہ صراحت فرمائی ہے اور محقق رومیؒ نے اجمال سے کام لیا ہے۔ اس وجہ سے اعداد میں قلت و کثرت ہوگئی ہے۔ لہٰذا بخیال اختصار حضرت مولانا ہی کے ہدایات ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ منجملہ سات مدارج کے مرید صادق کے ادب معنوی کا پہلا درجہ ادب، خلوص نیت و صفائی عقیدت ہے کہ دل میں بجز

غلوی محبت و علوی عظمت شیخ کبھی اور کسی حالات میں خیالات فاسدہ کا دخل و گزر نہ ہو۔ کیونکہ یہ اطبائے غیبی مرید کی صورت دیکھ کر امراض باطنی کے آثار و علامات دریافت فرماتے ہیں۔ **هم جواسس القلوب فجا السوهم بالصدق** چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

بندگان خاص علام الغیوب
در جہاں جان جواسیس القلوب

ایں طبیبان بدن دانشورند!
بر مقام تو زتو واقف ترند!

ہم زنبضت ہم زحشمت ہم زرنگ
صد سقم بینند در تو بے درنگ

پس طبیبان الٰہی در جہاں
چوں ندانند از تو بے گفت دہاں

از پئے روپوش عامہ در بیاں
وحی دل گویند ایں را صوفیاں

مومناں **ینظر** بنور اللہ شدند
از خطا و سہو ایمن آمدند!

اور مرید کے ادبِ باطن کا درجہ دوئم استماعِ کلام شیخ ہے۔
بمصداق **القوا فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ**

اور مفید نے ادب کا درجہ دوئم' اجماع کلام سچ ہے۔ جس کی سماعت بلوغ ہوش لازم ہے اور جس پر بکمال خلوص و رغبت یقین لانا مرید صادق کو

واجب ہے۔ کیونکہ فرمان حضرت شیخ سمع جان و دل سنتے ہیں۔ نہ بگوش آب و گل۔

چنانچہ مولانا علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

پنبہ اندر گوش حس دوں کنید
بند حس از چشم خوں بیروں کنید

رخنہا را سوئے خاموشی کشاں
چوں نشاں جوئی مکن خود را نشاں

دم مزن تابشنوی زاں آفتاب
آنچہ ناید در کتاب و در خطاب

دم مزن تا دم زند بہر تو روح
آشنا بگزار باکشتیٔ نوح!

پس کلام پاک در دلہائے دور
می نیاید می رود تا اصل نور

اور مرید کے ادب معنوی کا درجہ سوئم' کتمان اسرار شیخ ہے کہ اگر مرید کامل اپنے حالات خواہ از قسم کرامات ہوں یا واردات۔ ان کو مخفی رکھتا ہو اور مرید کسی طور سے واقف ہو جائے تو ادب اس کا متقاضی ہے کہ ان کو اسی صورت سے پوشیدہ اور مستتر رکھے کیونکہ اس کے اخفا میں کوئی مصلحت ضرور ایسی ہوگی جس کا مرید کو علم و شعور نہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ اسرار حضرت شیخ کو بکمال احتیاط پردہ اخفاء میں رکھے اور اس کے اعلان کا قصد نہ

کرے۔

جیسا کہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ ہر کو سر نہفت
زود گردد بامراد خویش جفت

وانہا چوں در زمیں پنہاں شود
سرشاں سرسبزی بستان شود

سرِ غیب اورا سزد آموختن
کہ زگفتن لب تو اند دوختن

محرم ایں ہوش جز بے ہوش نیست
مر زباں را مشتری جزگوش نیست

تانگوئے سرِ سلطان را بکس
تانہ ریزی قندرا پیش مگس

اور مرید صادق کے ادب باطنی کا درجہ چہارم۔ سماعت فرمان پیر ہے۔ لہٰذا مرید خوش نہاد و اہل ارادت کو لازم ہے کہ حضرت شیخ کی تربیت و تعلیم کو بصد صدق و یقین قبول و تسلیم کرے اور اس کے کلمات قدسیہ کو برحق و ازحق سمجھے کہ یہ ہادی دیں بحکم احکم الحاکمین ارشاد کرتا ہے نہ اپنی خواہش اور پختہ خیال ہو کہ یہ نفحات گوہر معنوی اور جواہر غیبی ہیں۔ جس کی حضرت مولانا بکمال صراحت ہدایت فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہاں تسلیم شو

ہمچو موسیٰؑ زیر حکم خضرؑ رو

صبر کن برکار خضرئ بے نفاق
تانگوید خضرؑ رو ہذا فراق

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن
گرچہ طفلے را کشد تو مکن

دست اورا حق چو دست خویش خواند
تا یداللہ فوق ایدیہم براند

اور مرید کے ادب باطن کا درجۂ پنجم ہے کہ کسی حالت میں حکم حضرت شیخ سے اعراض اور اس کے قول و فعل پر اعتراض کرنے سے احتراز کرے۔ چنانچہ جمہور اربابِ طریقت کا اتفاق ہے کہ جس طرح احکام حضرت شیخ سے سرتابی کا خیال بھی موجب ضلات ہے۔ اسی طرح رہنمائی برحق کے اقوال و افعال، عادات و احوال پر نکتہ چینی کا قصد یا تنقید کا ارادہ کرنا بھی مشرب صوفیائے عظام میں قطعاً ممنوع و حرام ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ طالب راہ حق کا نصب العین یہ ہو کہ ہمیشہ بکمال صدق و خلوص فرمان پیر کامل کی تعمیل میں سر تسلیم خم رہے۔ اور اگر کسی حکم کا مضمون یا مفہوم اپنے علم سے بالا اور فہم سے بلند ہو تو اقتضائے ادب یہ ہے کہ اس کو معیوب اور مجہول نہ سمجھے اور اعراض و انکار سے زبان بند رکھے۔ بقول۔

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ مرشد برحق کے ہر فعل کو برحق جانے کیونکہ ارادہ شیخ کامل ارادہ حق میں فنا ہوتا ہے۔ پس بجز مراد حق کوئی فعل اس سے صادر نہیں ہوتا اور نہ کوئی قول اس کا مصلحت سے خالی ہوتا ہے اور نہ منشاء حق کے خلاف۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

آنکہ از حق یابد او وحی وجواب
ہر چہ فرماید بود عین صواب

ہمچو اسمٰعیل پیشش سربہنہ
شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

آں پسر راکش خضر ببرید خلق
سر او را در نیابد عام خلق

آنکہ جان بخشد گر بکشد رواست
نائب است دوست او دست خداست

گر خضرؑ در بحر کشتی را شکست
صد درستی در شکست خضر ہست

اور چھٹا درجہ، مرید خوش عقیدت کے ادب باطنی کا یہ ہے کہ حضرت شیخ کی ذات خجستہ صفات کو رحمت رب العزت جانے بلکہ ہر وہ چیز جس کو شیخ سے نسبت اضافہ بھی ہو۔ اس کا بصدق و خلوص احترام کرے۔ ضرور ہے کہ عنایت شیخ سے فائز المرام ہوگا۔

اور برعکس اس کے (معاذ اللہ) مرشد کے عادات و سکنات کو بہ نظر

اہانت دیکھنا یا معیوب سمجھ کر زبان طعن دراز کرنا جو مرید کی بدبختی اور خبث باطنی کی عین دلیل اور دارین میں نامراد و ذلیل رہنے کا بین ثبوت ہے۔ بفحوائے **ذوالطعن مستحق اللعن**۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

عیب کم گو بندہ اللہ را!
متہم کم کن بدزدی شاہ را

ہاں دہاں ترک حسد کن باشہاں
ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

درجہ ہفتم آداب امتحان پیر ہے۔ حضرات صوفیائے باعظمت کے حالات و واقعات کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مرید ریاضت و مجاہدت کے اثرات و ثمرات سے صاحب دید و یافت بھی ہو جائے۔ تاہم پیر کامل کی شان رفعت و جلالت کے سامنے پست و مغلوب ہی رہتا ہے اور اس کے ادراک و خیال کو شیخ کی حقیقت فضل و کمال کا کماحقہ اندازہ کرنا محال ہوتا ہے۔ جس کو ادب باطنی کا اقتضا بھی کہتے ہیں۔

لیکن برخلاف اس کے مرید کی نقص ارادت و عدم عقیدت کی ایک مذموم علامت یہ بھی ہے کہ پیشوائے برحق کی آزمائش کا قصد کرے جو اس کے خبث باطنی کی عین دلیل ہے۔ اور عقلاً" بھی یہ نامحمود فعل اس لئے باطل ہے کہ امتحان ممتحن کا تصرف خاص ہوتا ہے اور مسلمہ ہے ناقص کا تصرف بھی

ناقص ہو گا اور امتحان رفع شبہات کے واسطے کیا جاتا ہے اور ارادت کے بعد شبہات کی گنجائش نہیں۔ اس لئے مشرب ارباب طریقت میں مرید کی یہ جسارت قطعاً ممنوع و حرام ہے۔ جیسا کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

شیخ را کو پیشوا و رہبر ست
گر مریدے امتحان کرد او خرست

امتحانش گر کنی در راہ دیں!
ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں

امتحان خود را کن آنگہ غیر را!
اے نہ دانستہ تو شر و خیر را

امتحان خود چو کردی اے فلاں
فارغ آئے ز امتحان دیگران

A party of pilgrims from Pakistan visited Dewa Sharif, 25 Miles from Lucknow in U.P.(India) in November,1955 and offered Sehra and Chadar, originally introduced by Faqir Sedah Shah Warsi, at the shrine of Hazrat Haji Waris Ali Shah. Among the pilgrims party were Munawar Shah Warsi alias Akhtar Mir, Advocate, Leader of the party, Anjuman Silsala Warsia of Pakistan, Lahore, Haji Hairat Shah Warsi of Karachi, Mr. Akbar Khan, Lahore, Ch.Abdul Aziz, Lahore and Mr. Fayyaz Wyne of Karachi and Mr. Miraj Din of Lahore

حقیقتِ عرس

میلے کا مادہ مل ہے اور مل سنسکرت میں میلے کے معنی میں آتا ہے۔ جن کے معنی ملنے کے ہیں۔ اس لئے آدمیوں کے ایک جگہ مل کر جمع ہونے کو میلا کہتے ہیں۔ تہوار مخفف تھوار کا ہے اور تھوار سنسکرت کے دو لفظوں تھ اور وارے مرکب ہے۔ تھ کے معنی تاریخ اور وار کے معنی دن کے ہیں۔ اسی لئے تھوار کے معنی تاریخی دن کے ہیں۔ یعنی ایسے دن کہ جس میں کوئی واقعہ قابل یاد رکھنے کے واقع ہو۔ یہی میلہ ہمیشہ مراسم مذہبی کے ادا کرنے کے واسطے ہوتا ہے اور حسن اخلاق اور تہذیب پر مبنی ہوتے ہیں۔ لوگ ولیوں کے میلوں میں ثواب سمجھ کے آتے ہیں اور کوشش یہ کرتے ہیں کہ ان کے پلے کوئی نیکی پڑ جائے۔ اور اجتماعی صورت میں اکٹھے ہو کر مزارات کی زیارت کرنا، ان کی روحانی فیوض و برکات سے متمتع ہونا اور وہاں قرآن خوانی اور ذکر الٰہی کی محفلوں کے انعقاد کو اصطلاحاً "عرس کہا جاتا ہے۔ یہ عرس درحقیقت قرآن حکیم کی اس آیہ کریمہ "ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب" کا ایک طرح

سے آئینہ دار ہوتا ہے کہ جس میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو کوئی شخص ان مقدس چیزوں اور ان مقدس مقامات اور ان مقدس حقیقتوں کی تعظیم کرتا ہے کہ ان کی نسبت اللہ سے ہے اور وہ شعائر اللہ ہیں تو یہ تعظیم بیشک دلوں کا تقویٰ ہے۔

عرس کی اصطلاح ترمذی شریف کی ایک صحیح حدیث سے ماخوذ ہے جس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مومن انتقال کر جاتا ہے اور اللہ کا یہ نیک بندہ عالم شہادت سے کوچ کر کے بارگاہ ایزدی میں ملاقات اور وصال کے لئے پہنچتا ہے اور نکیرین اس کی قبر میں سوال و جواب کے لئے آتے ہیں اور وہ رب اور دین کی نسبت سوال کرنے کے بعد اس سے یہ پوچھتے ہیں۔

ما کنتَ تقُولُ فِی ھٰذَا الرَّجُلِ محمدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم۔

مشکوٰۃ۔ ۲۵

(کہ اے صاحبِ قبر! یہ بتا کہ تیرا اس ہستی مبارک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دنیا میں کیا عقیدہ ہوا کرتا تھا)۔

عربی کا قاعدہ ہے کہ جب **کان یکون** مضارع پر آتا ہے تو وہ ماضی استمراری کا معنی دیتا ہے۔ یعنی دنیا میں اس ہستی کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتا تھا تو وہ مردِ مومن جس کی پوری زندگی غلامی اور اطاعتِ رسُول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بسر ہوئی ہوتی ہے۔ وہ تو منتظر ہوتا ہے اس لحہ کا کہ ہجر اور فراق کی ساعتیں ختم ہوں، دُوریاں مِٹ جائیں اور قبر کا وہ لحہ آئے جب حجابات اٹھا دیئے جائیں اور آنکھوں کو چہرہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار فرحت آثار نصیب ہو۔ اب چونکہ اس کی پوری زندگی اسی مقدس لحہ کے انتظار میں

بسر ہوئی ہوتی ہے۔ لہٰذا جب حجابات مرتفع ہوتے ہیں اور اسے دیدار مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت سے مالا مال کیا جاتا ہے تو وہ شخص بے ساختہ پکار اٹھتا ہے کہ ہاں میں انہیں پہچانتا ہوں۔ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے اور اس کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر فرشتے جواب دیتے ہیں۔

"کُنّا نعلَمُ انَّکَ تقُولُ ھٰذا"

(اے مردِ مومن! ہمیں یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ تیرا جواب یہی ہوگا)

اس کے بعد حدیث مبارک میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضور کی معرفت کے اس بیان کے بعد اس کی قبر کو ستر ستر گز چوڑا کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کی قبر کے ماحول کو منور کر دیا جاتا ہے اور جب اس مردِ حق کو اپنی برزخی اور اخروی زندگی کے ٹھکانوں کی خبر ہوتی ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ اب میں واپس دنیا میں جا کر اپنے گھر والوں کو اور اپنے احباب کو یہ خوشخبری سنا آتا ہوں کہ برزخی زندگی کی پہلی منزل میں نے کامیابی سے سر کر لی ہے۔

اس پر فرشتے اسے کہتے ہیں۔

نَمْ کَنَوْمَۃِ العَروسِ الّذِی لا یُوقِظُہٗ اِلاَّ اَحَبُّ اَھْلِہٖ اِلَیْہِ (مشکوٰۃ۔ ۲۵)

(کہ نہیں آج قبر کے نرم بستر پر بڑے آرام سے اس طرح سو جا جس طرح پہلی رات کی دلہن سو جایا کرتی ہے)

عروس پہلی رات کی دلہن کو کہتے ہیں، دولھا کو بھی کہتے ہیں ----

جس طرح پہلی رات کی دلہن اپنے نرم اور گداز بستر پر سو جاتی ہے تو بھی اسی طرح بے فکر ہو کر سکون اور طمانیت کی آغوش میں قبر کے اس نرم بستر پر دراز

ہو جا۔

(لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ۔ مشکوۃ۔ ۲۵)

اب تجھے کوئی نہیں اٹھا سکتا سوائے اس ذات کے جو ساری کائنات میں بڑھ کر تجھے محبوب ہے۔ اب تجھے یہاں سے کوئی جگا نہیں سکتا تو گویا مرد مومن اور مرد ولی اس مژدہ جانفزا کے بعد جب وصال حق کی نعمتوں سے مالا مال ہوتا ہے تو وہ پہلی رات کی دلہن کی مانند سو جاتا ہے۔ اب چونکہ حدیث میں عروس کے الفاظ آئے ہیں اور عروس شادی کو کہتے ہیں اور شادی عبارت ہے محب اور محبوب کی ملاقات سے' چنانچہ محب اور محبوب کی جب ملاقات ہوتی ہے اور انہیں وصال نصیب ہوتا ہے تو اس کیفیت وصال کو شادی کہا جاتا ہے۔

اللہ کے مقبول بندے کی موت اس کی روحانی شادی ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ اس دنیا میں وہ عقد و ازدواج کے رشتوں میں منسلک ہوتا ہے لیکن ان تعلقات سے اس کی روح کو کوئی لطف اور مسرت نصیب نہیں ہوتی۔ اس کی روح کو اگر کوئی لذت' کوئی سرور اور کوئی انبساط نصیب ہو سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اس لمحے کہ جس لمحے جا کر اسے اپنے محبوب حقیقی کا وصال نصیب ہوتا ہے۔ اب چونکہ مرد حق کا یوم وفات محبوب حقیقی سے ملاقات اور وصال کا یوم ہوتا ہے اور وہ لمحہ حجابات کے مرتفع ہو جانے کے بعد محبوب کے چہرے کو بے نقاب دیکھنے کا لمحہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس مرحلہ پر اسے پہلی رات کی دلہن کی مانند آرام سے سو جانے کی بشارت دی جاتی ہے۔ لہٰذا جب ہر سال وہ لمحہ آتا ہے وہ دن آتا ہے جب اس مرد حق کے فراق کے لمحے ختم ہوئے تھے۔ اب ہر سال وہ دن لوٹ کر آتا ہے' جب ہجر کی ساعتیں ختم ہوئی تھیں اور

اسے اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات اور وصل کی شراب پلائی گئی تھی تو اس کی روح اس ملاقات کی یاد سے پھر سے مچل اٹھتی ہے اور اہل حق اس دن اس کی روح کو قرآن خوانی اور ذکر الٰہی کے تحفے بھیج کر محبوب کی ملاقات کی مبارکبادی کا سامان فراہم کرنے کے لئے عرس کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس دن جب سب لوگ اکٹھے ہو کر انہیں قرآن خوانی کا تحفہ پیش کرتے ہیں' ذکر الٰہی کا تحفہ پیش کرتے ہیں' نعت اور وعظ کا تحفہ پیش کرتے ہیں تو ان کی روح مچل مچل اٹھتی ہے کہ انہیں بھی میری محبوب سے ملاقات کی ساعت پر خوشی ہے اور یوں حاضرین ان کی روح کی روحانی برکات' ثمرات اور فیوض سے مالا مال واپس لوٹتے ہیں۔

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ ○ مشکوٰۃ۔ ۲۵

حدیث کی رو سے اس دن اکٹھے ہو کر انہیں مبارک باد پیش کرنے کی اس کیفیت' رسم یا اجتماع کو عرس کا نام دیا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ جہاں انہیں وصالِ الٰہی کے ان لمحوں پر ہدیہ تبریک پیش کرنے کی خاطر کیا جاتا ہے وہاں حکمِ الٰہی کی تعمیل میں انہیں شعائر اللہ میں سے تصور کرتے ہوئے ان کی روحانی عظمتوں کی تعظیم و تکریم کا آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ تعظیم اور تکریم اسی عمل کو قرار دیا جا سکتا ہے جو عمل اپنے دامن میں تعظیم' ادب اور احترام ہی کی کیفیات رکھتا ہے اور اگر کوئی عمل ادب سے خالی ہے اور تعظیم اور تکریم کی کیفیات سے عاری ہے تو پھر وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن **(تقویٰ ومن یعظم شعائر اللّٰہ○ الحج ۲۲: ۳۲)** کے زمرہ میں اسے تصور نہیں کیا جا سکتا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ سال میں ایک دن شہدائے اُحد کے مزارات پر، شہدائے بدر کے مزارات پر تشریف لے جاتے۔ صحابۂ کرام کی جمعیت بھی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہوتی اور وہاں جا کر اپنی مبارک زبان سے ان کو ہدیہ سلام پیش فرماتے۔ یہ احادیث میں موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی ان مقدس روحوں کو خوشی اور مسرت کے تحفے پیش کرنے کے لئے صحابۂ کرامؓ کی جمعیت کے ہمراہ ایک خاص اہتمام کے ساتھ شہداء و مرحومین کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح خلفائے راشدین کا بھی یہ معمول رہا۔

امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں، امام جلال الدین سیوطی نے در منصور میں، علامہ شامی نے فتاویٰ شامی میں، الغرض مختلف محدثین، فقہا اور آئمہ کرام ان احوال کو اپنے اپنے انداز اور استدلال کے ساتھ بیان کرتے رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث کی روشنی میں یہ بات طے شدہ ہے کہ صاحب مزار کو آپ کے بعض اعمال سے فرحت اور خوشی بھی ہوتی ہے اور آپ ہی کی بعض حرکات کے نتیجہ میں صاحب مزار کو اذیت اور تکلیف بھی ہوتی ہے۔ یعنی صاحبِ مزار زائرین کے احوال اور ان کی حرکات سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ جہاں تک اس کی روح کا آپ کے احوال سے متعلق مختلف کیفیتوں سے دوچار ہونے کا تعلق ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ۔

لا تحسبن الّذینَ قتلوا فی سبیل اللّٰہ اَمواتاً آلِ عمران۔ ۳:۱۶۹

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے ہیں، ان کو مردہ گمان تک بھی نہ

کرو۔

بَلْ احیاءٌ عند رَبِّھِمْ یُرزقون ○ آلِ عمران۔ ۳:۱۶۹

وہ زندہ ہوتے ہیں، اپنے رب کے ہاں سے رزق کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔

آخر میں فرمایا۔

یستبشرون بالّذینَ لم یلحقوا بِھِمْ من خلفھِمْ الاّ خوفٌ علیھم ولا ھُمْ یَحزنون ○ آلِ عمران۔ ۳:۱۷۱

وہ لوگ جو ابھی نہیں مرے جو اس دنیا میں زندہ ہیں۔ اگر ان کی زندگی بغیر خوف و خطر کے بہتر اسلوب پر بسر ہو رہی ہو تو ان کے احوال زندگی کو دیکھ کر ان مرحومین کو اپنی قبروں میں خوشی ہوتی ہے، راحت نصیب ہوتی ہے۔ انہیں لطف و سکون ملتا ہے۔

ہم سب کچھ جانتے ہیں لیکن مردِ مومن کی تعظیم و تکریم اور آداب حاضری سے بے خبر ہیں۔ ابن ماجہ میں حدیث میں ہے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے ہیں۔ دورانِ طواف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے کعبہ! درست ہے کہ تو بھی پاک ہے، تیری فضائیں بھی پاک ہیں، گردونواح کا ماحول بھی پاک ہے، لیکن اس اللہ کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مردِ مومن کی عزت و حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی کہیں بلند ہے"۔

والذی نفس محمد بیدہ لحرمتہ المومن اعظم عندِاللّٰہ حرمتہ بِنک مالہُ و دَمہٗ ۔۔۔ ابنِ ماجہ۔ ص ۲۹۰

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک مردمومن کی عزت و حرمت کعبہ سے بھی کہیں بلند ہے۔ اب کعبہ کی عزت اور اس کی تعظیم و تکریم کے تقاضے کیا ہیں۔ کعبہ کی سمت منہ کر کے نہ تھوکئے۔ کعبہ کی سمت پاؤں کر کے سونا گوارا نہیں کیا جاتا۔ کعبہ کی سمت چہرہ یا پشت کر کے رفع حاجت کرنا بھی شریعت میں منع ہے۔ یہ تعظیم کعبہ کے تقاضے ہیں اور وہ مردمومن جس کی تعظیم و تکریم عنداللہ کعبہ اور قبلہ سے بھی بلند ہے اس کی عزت و حرمت کا عالم کیا ہو گا۔

صلحاء امت اور اللہ کے نیک بندوں کے مزارات پر جانے کا فلسفہ واضح کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

كُنتُ نَهيتُكُمْ عَنْ زِيارَةِ القُبورِ اَلَا فَزُوْرُوْها فَاِنَّما تُزَهِّدُ فِي الدُّنيا وَ تُذَكِّرُ الْآخِرَة مشکوٰۃ : ۱۵۴

میں تمہیں ابتدا" مزارات اور قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، کیونکہ اس وقت شرک کو غلبہ حاصل تھا۔ اب، جب کہ اسلام کا غلبہ ہو گیا ہے، تو میں تمہیں حکم دیتا ہوں **اَلَا فَزُوْرُوْها** کہ جاؤ مزارات کی زیارت کیا کرو۔ **فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنيا وَ تُذَكِّرُ الْآخِرَة** (مشکوۃ ۱۵۴) کہ مزارات کی زیارت کرنے سے دل میں دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کے ساتھ محبت اور انس پیدا ہوتا ہے۔

تو یہ ہے مزارات پر حاضر ہونے کا فلسفہ کہ کس مقصد کے لئے جانا چاہئے، یعنی صرف اس مقصد کے لئے جانا چاہئے کہ دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو۔ حب الٰہی کی وہ دولت جنہیں صاحب مزار اپنے دامن میں لیے ہوئے بیٹھا ہے،

اطاعتِ حق کی وہ نعمت جس سے صاحبِ مزار اس قابل ہوا کہ وہ خواص و عوام اور جملہ خلائق عالم کا مرجع بن گیا۔ اس دولت کو مانگنے کے لئے جاؤ، درد اور سوز دروں کی دولت مانگنے کے لئے جاؤ۔ عشقِ الٰہی کی فرحت مانگنے کے لئے جاؤ۔ اطاعت اور بندگی حق کا ذوق مانگنے کے لئے جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق اور محبت کا درد مانگنے کے لئے جاؤ۔ اپنے نفس کے تزکیہ کی خاطر جاؤ۔ اپنے من کی اصلاح کی خاطر جاؤ۔ اپنے اخلاق کی تہذیب کی خاطر جاؤ۔

سماع کی حقیقت

حضرات محققین کے ایک کثیر التعداد گروہ نے اصواتِ طیبہ کو بالاتفاق انعاماتِ الٰہیہ میں شمار کیا ہے۔ اس وجہ سے سماع مستحسنات صوفیۂ کرام میں داخل ہے اور جواز سماع پر عرفاء مشاہیر کا اجماع ہے اور مسلمہ ہے کہ سماع آرام دل عاشقاں سرور سینہ صادقاں غذائے جان سائران دوائے درد سالکان ہے بقول مولانا۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع
کہ در آن باشد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیالات ضمیر
بلکہ صورت گردد آن بانگ صفیر

لیکن اکثر علمائے شریعت و نیز ایک جماعت اہلِ طریقت کا جواز سماع سے اس بنیاد پر اتفاق نہیں ہے کہ سماع مشائخین متاخرین کا وضع کردہ ہے۔ اس لئے بدعت میں داخل ہے حالانکہ حضرات صوفیہ نے مختلف اسناد و دلائل سے

جواز سماع میں گفتگو کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عقلاً" و نقلاً" چونکہ سماع مزاحم سنت نہیں اس لئے مطلق مذموم ہو نہیں سکتا۔ خصوصاً" ایسی حالت میں کہ مشتمل بر فوائد ہے کہ اکثر اہل ریاضت و مجاہدت کو ملال قلب اضمحلال نفوس سے ایسے اشکال پیدا ہوتے ہیں جن سے فتور اعمال و قصور احوال کا اندیشہ ہوتا ہے یا بعض اوقات سالک کو اثنا سیر و سلوک میں وقفات و حجابات ایسے بھی رونما ہوتے ہیں جن کی جہت سے طریق ترقیٔ احوال مسدود ہوتا ہے۔ پس اس سقم روحانی کے دفعیہ کے لئے اطبائی معانی نے آسان علاج سماع الحان تجویز فرمایا ہے کہ سماع اصوات طیبہ و غنائی متناسبہ ایسی مفید اور سریع التاثیر ادائے محرک ہے جس کے استعمال سے سالک کی شدت شوق وحدت شغف میں خالص ہیجان ہوتا ہے اور وہ طے مقامات میں سرگرم اور ترقی درجات کے لئے کوشاں اور آمادہ ہو جاتا ہے اور وقفات حجابات رفع ہو کر مزید فتح یاب ہوتا ہے۔ بقول۔

دل وقت سماع بوی ز دلدار برد
جان را بہ سرا پردہ اسرار برد
ایں زمزمہ مرکبیست مر روح ترا
بَردار دو خوش بعالم یار برد

خلاصہ یہ کہ سماع فی نفسہ محمود ہے لیکن بلحاظ حالات و واقعات کسی کے لئے اس کا استماع مذموم بھی ہوتا ہے اور کسی کو مستحسن و مبارک۔ اسی خیال سے حضرات صوفیہ کرام نے آداب سماع منضبط فرمائے ہیں۔ جن کی شرط اول خلوص نیت اور اخوان صادق کی معیت، زمان و مکان کا لحاظ اور مسمع کے ظاہر و باطن کا سکون و وقار اور حرکات زواید و فضول سے پرہیز ضروری ہے۔

اور اگر کسی سامع کو آواز خوش و لطیف سے حظ و لذت نہ حاصل ہو تو یہ علامت ہے کہ دل اس کا مردہ اور اس کی سماعت باطنی معطل ہے۔ لہٰذا سماع و غنا و الحان کی ہادیان راہ طریقت نے بکمال شرح و بسط تعریف فرمائی ہے اور اس کے مفاد و ضرر سے آگاہ کیا ہے۔ **وھوا ھذا** ۔ ابو الحسین احمد بن محمد نوری علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔ فقیروں میں سے جس کو سماع کے وقت غافل پاؤ۔ اس کو متہم ٹھہراؤ۔ (طبقات الکبریٰ)

ابو القاسم جنید علیہ الرحمتہ سے پوچھا "کیا سبب ہے کہ آدمی سکون کی حالت میں جب سماع سنتا ہے تو بیہوش ہو جاتا ہے"۔ فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جب آدم کی ذریت کو میثاق اول میں **الست بربکم** سے خطاب فرمایا تو روحوں پر اس کلام کے سماع کی روشنی نے اثر کیا۔ اس لئے جب سماع سنتے ہیں تو اس کی یاد ان کو حرکت میں لاتی ہے"۔ (طبقات الکبریٰ) یہ بھی فرمایا "**تتنزلُ الرحمتہ علی الفقراء فی السماء فانھم لا سمعون الا من حق ولا یقومون الا من وجد**" (ترجمہ) سماع کے وقت فقیروں پر رحمت نازل ہوتی ہے اس لئے کہ یہ نہیں سنتے مگر حق سے اور نہیں کھڑے ہوتے مگر وجد سے۔ (طبقات الکبریٰ)

شیخ ابو عثمان جری علیہ الرحمتہ نے فرمایا "سماع کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو مریدوں اور مبتدیوں کے لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ احوال شریفہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی نسبت اس میں فتنہ اور ریا کا خوف ہے۔ دوسری قسم صادقوں کے لئے ہے کہ وہ اس کے ذریعہ سے اپنے احوال میں زیادتی چاہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ ایسے مضامین سنتے ہیں جو ان کے اوقات کے موافق ہوتے ہیں اور تیسری قسم عارفین سے اہلِ استقامت کی ہے"۔

(طبقات الکبریٰ)

شیخ عبد الغفار قوصی علیہ الرحمتہ نے فرمایا "سماع ہی تو ایک ایسی چیز ہے جو کامل کے لئے باقی رہ گئی ہے۔ پس اگر وہ کامل تر ہو جائے تو جنبش نہ کرے۔

اس واسطے ہادیانِ راہِ طریقت نے بہ نظر احتیاط بکمالِ صراحت فرمایا ہے کہ سماع کی تین قسمیں ہیں۔ اول سماع عام جس کا استماع بذریعہ نفس ہوتا ہے۔ اس کے چار مراتب ہیں۔ طبعی و ہوائی و شہوانی اور بدعتی یہ قطعی حرام ہے۔ دوم سماع خاص جو بگوش دل سے سنتے ہیں۔ ان کے تین مدارج ہیں۔ رجائی، خوفی، علمی، یہ سہ پسندیدہ ہیں۔ سوم سماع اخص جس کا محض روح سے تعلق ہوتا ہے۔ یہ سماع باعث کیفیت و جہت وجد حقانی و سبب احوال روحانی ہے اور یہی سماع حق ہے اور اسی کو اہلِ حق سنتے ہیں۔

ابوسعید بن اعرابی علیہ الرحمتہ نے فرمایا "وجد یہ ہے کہ حجاب کو دور ہونا دوست کا مشاہدہ ہونا اور فہم کا موجود ہونا اور غیب کو دیکھنا اور راز قلبی سے گفتگو کرنا اور مقصود کو انس دینا، یعنی اپنی خودی زائل کرنے سے مانوس ہو جانا ہے"۔ (احیاء العلوم)

یہ بھی فرمایا "وجد خصوصیات کے درجات میں اول ہے اور امور غائبہ کی تصدیق کا سبب بھی ہے۔ کیونکہ جب سالکین وجد کا مزہ چکھتے ہیں اور ان کے دلوں پر اس کا نور چمکتا ہے تو پھر ان کو کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا"۔ (احیاء العلوم)

ابو القاسم جنید علیہ الرحمتہ نے فرمایا "وجد انقطاع اوصاف ہے۔ بوقت ظہور ذات بہجت سرور اس کے کہ خودی اور دوئی منقطع ہوتی ہے"۔

شیخ ابوالقاسم بن عبداللہ اجری علیہ الرحمتہ نے کسی سائل کے جواب میں فرمایا۔ **الوجد جمود ما لم یکن لہ شہود** (ترجمہ) وجد جمود ہے جب تک شہود نہ ہو۔ (طبقات الکبریٰ)

"نغمات سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ میلان فطرتی ہے۔ اس وجہ سے سماع سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ شیخ ابوبکر کتھانی" فرماتے ہیں کہ عوام کا سماع طبیعت کی مطابقت سے ہے۔ مریدوں کا سماع خوف و رجا سے ہے۔ اولیا کا سماع نعمتوں کے دیکھنے سے ہے۔ عارفین کا سماع مشاہدہ ہے اور اہلِ حقیقت کا سماع کشف و عیاں ہے"۔

ائمہ اربعہ اور سماع

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادریؒ اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہ اور سماع

امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ "سماع نہ گناہ کبیرہ ہے نہ گناہ صغیرہ۔ بلکہ جائز ہے"۔ اور یہ بھی نقل ہے امام ابوحنیفہؒ کا ایک پڑوسی تھا جو ہر روز گایا کرتا تھا اور امام صاحب اس کا گانا سنا کرتے تھے۔ ایک رات امام نے اس کی آواز نہ سنی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ قید ہو گیا ہے۔ یہ سن کر امام صاحب خود قید خانہ کے حاکم امیر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی۔ حاکم نے اس کا نام دریافت کیا تو امام صاحب نے فرمایا اس کا نام عمر ہے۔ حاکم نے

حکم دیا کہ عمر نامی جتنے قیدی ہیں، سب آزاد کر دیئے جائیں۔ جب عمر رہا ہو گیا تو امام صاحب نے اسے فرمایا کہ جس طرح پہلے گاتے تھے اب بھی گایا کرو۔

علامہ ملّا علی قاری حنفی اور سماع

علامہ ملا علی قاری حنفی اپنے رسالہ "سماع" میں فرماتے ہیں کہ "امام یوسف (امامِ اعظم کے شاگرد) جو ہارون الرشید کی مجلس سماع میں جاتے تھے تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ جب لوگ آپ سے جواز سماع کے بارے میں سوال کرتے تو آپ امام ابوحنیفہ کا وہی قصہ بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر سماع حرام ہوتا تو ہمارے امام اپنا وقت گانے میں کیوں ضائع کرتے"۔

امام مالکؒ اور سماع

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ سماع کے متعلق اہل علم کا کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہ "میرے علاقے میں (آپ ہمیشہ مدینہ منورہ میں رہے) اہل علم اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کو برا سمجھنے والے عام لوگ یا تو جاہل ہیں یا عراق کے باشندے ہیں جن کی طبائع سخت ہیں"۔ ابن حمدونؒ نے اپنی کتاب تذکرہ اور علامہ ابوالفرجؒ نے اپنی کتاب آغانی میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے سامنے ایک آدمی گاتا ہوا گزرا تو آپ نے اس کے کلام کی تصحیح فرمائی۔ علامہ عیسیٰ بن عبدالرحیم رسالہ "سماع" میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے گانا سنا اور خود بھی گایا۔

امام احمد بن حنبلؒ اور سماع

امام احمدؒ اپنی مشہور کتاب مسند امام احمد میں روایت کرتے ہیں کہ حبشی

لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجا رہے تھے' ناچ رہے تھے اور یہ گا رہے تھے۔

وسول   محمد   عبدٌ   صالح

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ناچنا' دف بجانا' گانا اور ناچ دیکھنا جائز ہے۔

اہلِ حدیث کے امام قاضی محمد بن علی شوکانی یمنیؒ اور سماع

اہل حدیثوں کے امام حضرت قاضی محمد بن علی شوکانی یمنیؒ نے سماع پر ایک مدلّل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے "ابطال دعویٰ اجماع"۔ اس رسالہ میں آپ نے احادیثِ نبویؐ سے ثابت کیا ہے کہ سماع جائز ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے کوئی بات راگ کے حرام ہونے میں نہیں آئی بلکہ دونوں نے راگ سننا ثابت کیا ہے۔ امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "عبداللہ بن جعفرؓ ابوطالب سماع سنتے تھے اور اپنی خوش الحان لونڈیوں سے تار والے ساز کے ساتھ امیرالمومنین حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں گانا سنا کرتے تھے۔ قاضی شریحؒ' سعید ابن مسیّب' عطا بن رباح اور امام زہری اور امام شعبیؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

استاذ العلما والمحدثین امام ابراہیم بن سعد مدنی اور سماع

حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنیؒ' امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ' امام احمد اور امام شعبی کے استاد ہیں اور بڑے بلند پایہ محدث ہیں۔ کتاب میزان الاعتدال جلد اول' مدارج جلد اول اور احیاء العلوم جلد چہارم میں لکھا ہے کہ

"استاذ الائمہ حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنیؒ عود (یعنی باجا) کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ جب آپ بغداد تشریف لائے تو ہارون الرشید سے کہا کہ عود منگواؤ۔ ہارون نے کہا کہ کیا خوشبودار لکڑی مطلوب ہے۔ انہوں نے فرمایا نہیں عود طرب۔ ہارون الرشید نے باجا منگوایا اور حضرت ابراہیم بن سعدؒ نے اس کے ساتھ گانا گایا۔ اس پر ہارون الرشید نے دریافت کیا کہ کیا مدینہ میں اس کا کوئی منکر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس دل پر خدا نے مہر لگا دی وہی منکر ہو گا"۔

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ کا سماع اور رقص

کتاب "مراۃ الاسرار" میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاؤ الحق زکریا ملتانی قدس سرہ نے بھی سماع سنا ہے۔ ایک دفعہ جب عبداللہ رومی قوال نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ مجھ سے حضرت شہاب الدین قدس سرہ نے بھی قوالی سنی تھی۔ آپ کو سنانے آیا ہوں تو آپ نے فرمایا اگر میرے شیخ نے سماع سنا ہے تو میں بھی سنتا ہوں۔ اس کے بعد عبداللہ رومی نے یہ غزل گائی۔

عاشقاں که شراب ناب خورند
از پہلوئے خود کباب خورند

(عاشق لوگ جب شراب عشق پیتے ہیں تو اپنے پہلو سے کباب (سوختۂ دل) کھاتے ہیں) تو اس پر آپ کو وجد آ گیا اور چراغ بجھا کر آپ نے رقص فرمایا۔ صبح کے وقت آپ نے قوال کو خلعت کے علاوہ بیس روپے نقد عطا کئے۔

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردیؒ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ فی الہند تھے۔ آپ کا شمار جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے۔

آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کے دوست تھے اور دونوں حضرات مل کر خوب مجالس سماع گرم کیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے کوشش تمام کے ساتھ سماع کو تربیت دی اور آج کل جو باقاعدہ سماع ہم سنتے ہیں۔ آپ کا مرتب شدہ ہے۔ جب مولانا احمد جام کی غزل۔

کشتگان خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

پر حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کا وصال ہوا تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری شریک محفل تھے۔

حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ سہروردی اور سماع

حضرت شیخ سعدی شیرازی جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ سماع کے دلدادہ تھے۔ آپ کے یہ اشعار آپ کے ذوق سماع پر دلالت کرتے ہیں۔

مکن عیب درویش حیران و مست
کہ غرق است ازاں ے زندپاؤ دست
نہ بینی شتر را بر حدائے عرب
کہ چو اش برقص اندر آر و طرب

(اونٹ حدی کی آواز سے مست ہوتا ہے اور خوشی اور وجد میں آتا ہے)

رسالۃ السماع سے اقتباسات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ
محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

اس کے بعد حمید صوفی السوالی عفی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ رسالہ سماع کے بیان میں ہے تاکہ شائقوں کے کام آئے اور عاشقوں کا ذوق زیادہ کرے اور منکروں کی جان گھٹائے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ امید و بیم دل کے قدم ہیں جس سے سیر کی جاتی ہے۔ سدرۃ المنتہی تک سماع اور وجد روح کے پر ہیں۔ جن سے وہ اڑتی ہے جس کی انتہا رب تک ہے۔

سیر دل کی صفت ہے بے قدم کیسے چل سکتا ہے اور بے پر اڑنا کیسے ممکن ہے۔

چوں دوست بروم خرابات
بر اہل سماع کند مباحات
ہنگام خوابی تو در عشق
می رشک برند بر سماوات
تو راہ خرابات بگیر بدور
تاچند طلب کنی کرامات
روزاں و شبان وصال میخواہ
اے مست شراب در خرابات
بگزار حدیث زہد بگرر

در عشق کجا خرند طامات
سوز است نیاز و درد رہ

می ساز نماز ایں مقامات
خواہی کہ رسی براہ غم رو

کیں راہ سلامت است آفات
سرمایہ عاشقاں نیاز ست

تو ناز ہمیں کنی بہ طامات
ہرگز نہ رسی بوقت مردن

تاوصف نمائی و شوئی ذات
با درد حمیدؒ باش ہمدم

انیست بزرگی و کرامات

جب دوست نے خرابات کے آدمیوں پر سماع مباح کر دیا ہے۔ جس وقت تو عشق میں خراب ہوتا ہے۔ آسمان والے تجھ پر رشک کرتے ہیں تو خرابات کا راستہ اختیار کر کے کرامتیں کب تک طلب کرتا رہے گا۔ دن رات وصال چاہ اے خرابات کی شراب سے مست ہونے والے زہد کے قصے چھوڑ دے اور چل عشق میں گپ شپ نہیں خریدتے۔ سوز و نیاز و درد مقامات ہیں۔ ان مقامات کی نماز پڑھ۔ اگر تو منزل پر پہنچنا چاہے تو براہ غم سفر کر۔ کیوں کہ یہ راستہ آفتوں سے پاک ہے۔ عاشقوں کا سرمایہ نیاز ہے اور تو لاف و گداف کا انبار لگاتا ہے۔ مرنے کے وقت تو منزل مقصود پر ہرگز نہیں پہنچے گا۔ جب تک تو ذات و صفات کا مظاہرہ کرتا رہے گا۔ اے حمید تو درد کو اپنا لے اور اس کا ہمدم بن جا۔ یہی

بزرگی و کرامات ہے۔

بزرگوں میں سے ایک بزرگ سے جو کہ سلوک میں یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا اور طوبیٰ عشق کے درخت کے مشاہدہ کی چاشنی چکھ چکا تھا۔ پوچھا کہ سماع میں کیا حالت ہوتی ہے کہ اضطراب حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے بغیر واسطہ خطاب کیا۔ میں تمہارا رب ہوں۔ عقل اور رموز نے دفعتاً" جواب دیا کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔ راز کے کلام کو راز میں ہی رکھنا کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ عقل کے لئے یہ مکتفی ہے۔ جب سماع میں اسرار پیش آتے ہیں تو ان کو عہد میثاق یاد آ جاتا ہے۔ جوش میں آ جاتے ہیں اور مضطرب ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کی اصلیت ان میں ظاہر ہو جاتی ہے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ باب فتوح اپنے لئے کھول ڈالیں۔ چنانچہ عقلوں پر عالم مکنوں سے علم کا ذریعہ استنباط کرنے سے یہ راز ظاہر ہو جاتا ہے اور علم کی مشکلات میں سے ایک مشکل حل ہو جاتی ہے اور حب الٰہی ان کو نظر آنے لگتی ہے۔ دل و جان سے اس کی تصدیق کرتے ہیں اور بلاشبہ جانتے ہیں کہ حق ہے اور حق کی طرف سے ہے جو رویت حق چاہتا ہے' اس کو لازم ہے کہ منکر سماع نہ ہو۔ کیونکہ انکار سماع اس کو حقائق سے دور کر دیتا ہے اور سماع کے انکار کرنے والا انکار کی بدبختی کی وجہ سے تصدیق کی طرف مشغول نہیں ہوتا۔ سماع ایک عجیب چیز ہے اور سماع کے ساتھ موافقت اس سے بھی بڑی عجیب چیز ہے۔ اہل وحدت و سماع کی آنکھوں سے جو پانی نکلتا ہے وہ خون ہوتا ہے اور ان کا خون کیا ہے' یہ نہ دیکھ۔

رباعیات

رویت باید کہ سوئے ہستی نبود
رایت باید کہ جزبہ پستی نبود
کا نزا کہ شراب وحدت داوندا
مستش یا بی ولیک مستی نبود

ترجمہ

تیری نظر ہستی کی طرف ہونی چاہئے اور تیرا رخ جز پستی کی طرف نہ ہو۔ جن کو وحدت کی شراب دی ہے توان کو مست پاتا ہے مگروہ مستی نہیں ہے۔

گویند جہاں در ندارد
مرغ قفش پر ندارد
ہر گل کہ بغیر خار بود
گل ہست ولے ثمرے ندارد
دانی کہ برون جہد ز دامش
مرغ است کہ او سر ندارد

کہتے ہیں کہ دنیا کا دروازہ نہیں ہے اور اس کے مرغ قفس کے پر نہیں ہوتے۔ ہر پھول جس کے درخت کا خار نہ ہو۔ پھول تو ہے لیکن پھل نہیں دیتا۔ تو جانتا ہے کہ وہ مرغ جال سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے جو سرفروش ہوتا ہے۔

غزل

در راہ رو کہ بے کرانیست
بے راہ رو کہ بے نشاں ست
خطی است میاں آں طلب کن
گر راستیست درمیان است
سریست نہفتہ کس نداند
دانی تو تو کہ آں کرا عیانست
اورا کہ زبان حال جان است
در مشہد عشق بے بیان است
گشت است یقیں کہ ایں چنیں است
تامرد روندہ بے گمان است
راہے تو درون تست ہشیار
در راہ حجاب چیست جانست
تو گوہر قیمتی نباشی
تا کان جہاں ترا مکانست
در باز حمیدؒ خویش را
زاں پس کہ بہ مبیں تونیست آنست

ترجمہ

اس راستہ مت چل جو لامتناہی ہے اور بے نشان والے راستہ پر مت جا۔ اس میں وسطی خط کو طلب کر کیونکہ اگر راستی ہے تو درمیان میں ہے۔ سمجھ ایک خفیہ راز ہے جسے کوئی نہیں جانتا۔ کیا تو جانتا ہے کہ یہ راز کس پر آشکار ہے۔ جس شخص کی زبان حال روح ہے وہ مشہد عشق میں بے زبان ہے۔ جب تک سالک بے گمان ہوتا ہے اس کو وہ یقین کرتا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ تیرا راستہ تیرے ہی اندر موجود ہے۔ تیرے راستہ میں اگر کوئی حجاب ہے تو وہ تیری روح ہے۔ جب تک کہ کان دنیا تیرا مکان ہے تو قیمتی موتی نہیں ہو سکتا۔ اے حمیدؒ جب تو دیکھے کہ تو نہیں ہے یعنی تیرا وجود ختم ہو گیا تو سمجھ لے کہ تو نے مکان پا لیا اس وقت تو باز رہ۔

سمجھ لے کہ سماع دو قسم کا ہے۔ ایک سماع قرب دوسرا سماع بُعد۔ سماع قرب مسرت و انبساط ہوتا ہے، سماع بعد باعث رنج و کلفت۔ سماع کا منکر وہ شخص ہے جو صاحب دل نہیں ہے اور سماع اس کو مباح جو سماع کے وقت جان دینے کو تیار ہے۔ منکر سماع پر غصہ نہ کر کیونکہ وہ اس کی حقیقت سے آشنا نہیں ہے۔ خود سے گزرے بغیر کوچہ سماع میں گزر نہیں ہو سکتا۔ سماع ایک راہ نما لشکر جان و دل ہیں۔ سماع میں روح کو راحت اور جان کو فرجت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا درد تمام تر اس کا علاج ہے اور اس کا علاج کلی درد ہے۔ سماع شیوہ عشاق ہے۔ جو سماع کرتا ہے وہ شیدائے حق ہوتا ہے۔ مردہ کب دیکھتا ہے اور کب سنتا ہے۔ **لا تسمع الموتی** کون سا ذی روح ہے جو سنتا نہیں۔ **واذا**

سمعوما انزل الی الرسول تری اعینهم الفیض من الدمع کسی نے کیا خوب کہا۔

رباعی

اسرار خرابات بہ ہر کس نہ دہند
قوت دل طوطیاں بکرگسی نہ دہند
شمع و شب و شاہد و دمساز
اے یقیں داں کہ بہ ہر کس نہ دہند

ترجمہ

خرابات کے بھید ہر کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ طوطیوں کے دل کی خوراک گدھوں کو نہیں کھلائی جاتی۔ شمع و شب و شاہد دمساز ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں ہیں۔

خرابات تجھ پر ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ تو خرابات کی طرف متوجہ نہیں ہے تو پستی میں ہے۔ تیرا نام و نشان کسی جگہ ظاہر نہیں ہوتا جو نام و نشان کی بلندی پر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ بغیر نیاز کے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ یہ چند دن یعنی یہ قلیل مدت عمر رواں دواں گزر جائے گی۔ اس میں غرور کا خیال مناسب نہیں۔ جب تک غرور و مباحات کے اسرار قائم رہتے ہیں۔ خرابات کے اسرار کا گزر نہیں ہوتا۔ خرابات کے اسرار مباحات کے اسرار سے عزیز و شریف ہوتے ہیں۔

کوئی بھید نہیں جانتا اپنی زبان بند کر خرابات طوطیوں کے دل کی غذا ہے اور مباحات گدھوں کے پوٹے کا لقمہ۔

عالم انسانیت میں خلق کو تاریکی میں پیدا کیا ہے۔ عالم انسانیت میں شمع کیا ہے۔ جہاں ملکیت ہے (تحقیق ہم نے ملکوت پر اپنے نور سے روشنی کی) الوہیت کے اسرار سے واقف کون ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے جس نے میرا ذکر کیا میں اس کا جلیس ہوتا ہوں۔ یعنی ذاکر بوجہ جلیس ہونے کے الوہیت کے اسرار سے واقف ہوتا ہے۔ حریف و ہمدم کون ہے۔ حریف و ہمدم وہ ہے جو **حسبی اللہ و التکالی علیہ** (کافی ہے اللہ اور میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے کی سچائی کے ساتھ آواز لگاتا ہے۔ سماع پریشان لوگوں کی دل جمعی کرتی ہے۔ سماع قضا و قدر کے شاہدوں کے شہود کی جگہ ہے۔ صاحب سماع کے نزدیک سماع بطور ایک پھل ہے اور ایک مرغ آبی ہے جو مرغ خاکی کے ساتھ ملتا ہے۔ صاحب دل (زندہ) کو چاہئے کہ رموز عشق سے واقف ہو۔

رباعی

چوں عشق مجرد است از قیل و قال
پس جز ز سماع در نیابی احوال
حالیکہ مقصود وجود آں حالیست
پس تعبیہ سماع کروند آں حال

ترجمہ

چونکہ عشق چناں و چنیں سے مجرد ہے اس لئے سوائے سماع کے اس کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ جو حال کو جو عشق کے وجود کا مقصد ہے۔ تعبیہ سماع کر دیا۔

رباعی

آخر ترا کہ گفت کہ در قال طلب
از قال بگزر و برو حال طلب
خواہی کہ بعشق در ہوالیش بہ پری
بال تو سماع است پر و بال طلب

ترجمہ

آخر تجھ سے کس نے کہا کہ تو محض قیل و قال میں مبتلا رہ۔ قال چھوڑ اور صاحب حال بن۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اس کی طلب میں عشق کے ذریعہ اڑے تو یوں سمجھ کہ سماع تیرے بال و پر ہیں۔ تجھ کو لازم ہے کہ بال و پر طلب کرے۔

رباعی

موسیٰ زسماع آنچناں مست افتاد
والہ شد و خیرہ شد و ازوست افتاد
از کوہ بلند آنچناں بہول و فزع
از شوق سماع سرنگوں مست افتاد

ترجمہ

موسیٰ سماع سے ایسے مست ہو گئے کہ والا و شیدا اور ششدر ہو کر گر پڑے۔ ذوق سماع کے باعث مست ہو کر بلند پہاڑ سے وحشت زدہ ہو کر اوندھے گر پڑے۔

رباعی

از ذوق سماع عاشقاں سر بنہاد
در چرخ زدن پائے بر اختر بنہاد
آں دم کہ سماع گرم اندر گیرد
مرغاں چہ ہمہ فرشتگان پر بنہاد

ترجمہ

ذوق سماع سے عشاق آسمان پر جانے کے لئے پاؤں ستاروں پر رکھتے ہیں۔ جس وقت سماع کی گرمی اندر پیدا ہوتی ہے، مرغ ہی کیا بلکہ تمام فرشتے بھی اپنے پروں کو پھڑپھڑاتے ہیں۔

رباعی

ہر چند کہ ز سماع حاصل آید
ذوقے است کہ جان ازو ہمی اساید
ہر جان دے کہ یافت از ذوق سماع
ہرگز بہ نسیم خلد ہم نگراید

ترجمہ

ہر چیز کہ سماع سے حاصل ہوتی ہے وہ ایک ذوق ہے جس سے جان کو آرام ملتا ہے۔ جس دل و جان نے سماع سے ذوق پایا۔ وہ جنت کی ٹھنڈی ہوا پسند نہیں کرتے۔

رباعی

مرغ دل من شنید چوں نام سماع
یک لحظہ نمی شکیب از دام سماع
از کجا یاد کند در ہمہ عمر
چوں مست خراب گشتہ از جام سماع

ترجمہ

میرے دل کے مرغ نے جب سے سماع کا نام سنا ہے، عالم سماع سے دم بھر کے لئے بھی جدا نہیں ہونا چاہتا۔ جب جام سماع سے مست خرابات ہو جاتا ہے تو عمر بھر پھر کب ہوش میں آتا ہے۔

اے بھائی تو عرش کی چھت کا مرغ ہے۔ تجھ کو وجود کے پنجرے میں بند کیا گیا ہے اور عالم شہادت میں نہیں آتا ہے کہ تو گواہ ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ آدمیوں پر گواہ ہو جاؤ اور مشہود ہو جاؤ۔ اور بھیجا تم پر رسول کو گواہ بنا کر تاکہ تمہاری قسم درست ہو جائے۔ تیرا محبوب بھی شاہد و مشہود ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے گواہی دے تحقیق نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور اللہ کے اخلاق سے آراستہ ہونا اس سے ثابت ہوا حاصل امر یہ ہے کہ تو عالم ظہور میں آیا مگر خود کو جو شاہد ہے فراموش کر دیا نیز اپنے محبوب کو بھی جو مشہود ہے۔ فراموش کر دیا لیکن اس جل جلالہ نے تجھے نہیں بھلایا۔ اس کے مقربین درگاہ احدیت کے مقبول بندے ہیں اور **انی اصطفیتک** جن کی تعریف ہے اور **ثم احجبتاہ ربہ فھدیھم** جن کے کمال کی صفت ہے اور آیت **اصطفیتک** جن

کے نفس کے کمال پر دلالت کرتی ہے۔ تجھے دعوت دینے کے لئے بھیجا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ ارسلنا الیکم رسولا"

بیت

تو آں قیمت ورائے دو جہانی
چہ سازم قدر خود نمی دانی

ترجمہ

قیمت میں تو جہاں سے زیادہ ہے۔ کیا کروں کہ تو اپنی قدر نہیں جانتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ نبوت کا وقت گزر گیا اور دعوت کا زمانہ ختم ہو چکا اور تو اس زمانہ سے دور پڑ گیا۔ ہادیوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا اس لئے تیرے واسطے ہادیوں کی تعلیم لازم کی تاکہ تجھے خواب غفلت سے جگائیں اور شہوت کی مستی سے ہوشیار کریں۔ پرانے پختہ کاروں نے دیکھا تو کام کا نہ رہا۔

شیخ حمید الدین الصوفی السعیدی ناگوری سوالی

آپ کا لقب سلطان التارکین اور کنیت ابو محمد ہے۔ حضرت خواجہ معین الحق والدین کے منجملہ خلفاء اعظم ہیں۔ تجرید و تفرید میں آپ کا قدم راسخ تھا۔ مقبول بارگاہ خداوندی تھے۔ آپ کی ہمت بہت عالی تھی۔

تصوف میں آپ کی شان بہت بڑی اور قواعد طریقت کے بیان میں آپ کا مقام بلند تھا۔ سلسلہ نسب حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ آپ مشائخ قدمائے ہند سے ہیں، عمر آپ کی دراز ہوئی، فرماتے تھے کہ "فتح دہلی کے بعد پہلا لڑکا جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوا، وہ میں تھا"۔

"خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ جس کو جو مانگنا ہو، طلب کرے کہ یہ وقت قبولیت کا ہے۔ ایک شخص نے دنیا مانگی، دوسرے نے عقبیٰ طلب کی۔ خواجہؒ نے شیخ حمید الدین سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی کچھ مانگو۔ انہوں نے کہا مجھ کو کچھ درکار نہیں، میں طالب مولیٰ ہوں"۔ پھر خواجہ قطب الدینؒ سے وہی کلمہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے عرض کیا "بندہ کو کچھ اختیار نہیں۔ آپ کو اختیار ہے"۔ اس کے بعد حضرت اجمیریؒ نے ارشاد فرمایا "دنیا کو چھوڑنے والے، عقبیٰ سے بے پروا سلطان التارکین حمید الدین صوفی ہیں"۔

اسی وقت سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہوا۔ نقل ہے کہ۔

"سوالی میں، جو ناگور کے قریب ایک گاؤں ہے۔ آپ کی زمین اس قدر محدود تھی کہ اس میں خیمہ کھڑا ہو جائے۔ آپ اس کو خود کاشت کرتے تھے اور پیداوار سے خود اپنا اور متعلقین کا کفالت حاصل فرماتے تھے، آپ کے نانا شیخ سعیدی عربی نژاد تھے، جب آپ کے والد محترم محمد صوفی جو کہ ایک جید عالم اور کامل درویش تھے، لاہور سے دہلی تشریف لائے تو شیخ سعیدی عربی نے اپنی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا۔ کچھ عرصہ تک محمد صوفی دہلی میں ہی مقیم رہے اور وہیں سلطان التارکین کی ولادت باسعادت ہوئی"۔

حضرت سلطان التارکین کی والدہ محترمہ بھی اپنے زمانے کی رابعہ تھیں، آپ فرمایا کرتے تھے اگر کوئی عورت میری والدہ سے بہتر اور بزرگ ہوتی تو میں اس کے بطن سے پیدا ہوتا، گویا آپ کی والدہ محترمہ اپنے زمانے کی بہترین اور بزرگ ترین عورت تھیں۔ (۱)

شادی اور اولاد

آپ کی بیوی کا نام خدیجہ تھا، یہ سیدانی اور قاضی قصبہ لاڈنو کی صاحبزادی تھیں جو عین القضاۃ ہمدانی کی اولاد میں سے تھے۔ اور آپ کے دو بیٹے شیخ عزیز الدین اور شیخ نجیب (۲) الدین تھے۔ ہفتہ میں ایک بار نیم کے پتوں سے روزہ افطار کیا کرتی تھیں۔ رحم دل اور سخی اس قدر تھیں کہ کسی سوالی کو اپنے گھر سے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتی تھیں۔

سلطان التارکین کے دو صاحبزادے شیخ عزیز الدین اور شیخ مجیب الدین آپ ہی کے بطن سے تھے۔

بیعت

مولانا شمس الدین حلوائی آپ کے استاد تھے، آپ فرمایا کرتے تھے "میرے تین پیر ہیں۔ خواجہ بزرگ معین الدین خلافت کے پیر، شیخ حمید خوئی خرقہ کے یعنی روحانی پیر اور مولانا شمس الدین حلوائی علم ظاہر و صحبت کے پیر"۔

واقعہ اس طرح رقم کیا ہے کہ آپ نہایت حسین و جمیل تھے۔ ایک روز جب آپ خواجہ بزرگ کے سامنے سے گزر رہے تھے تو حضرت خواجہ کی نظر آپ پر پڑی۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا "کس قدر حسین و جمیل شخص ہے۔ جس پر دنیا فریفتہ ہے، اگر یہ میرے پاس آئے تو اللہ بھی اس کا شیدا ہو جائے"۔

چنانچہ آپ خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب آپ کی نظریں اس آفتاب ولایت پر پڑیں تو خیرہ ہو کر رہ گئیں، معدن جود و کرم اور مصدر لطف و عطا خواجہ بزرگ نے جب آپ کو جوہر قابل پایا تو اپنی دولت خلافت سے نوازا، آپ نے سب دولت فقیروں اور درویشوں میں تقسیم کر دی۔ اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفالت کے لئے محض دس جریب زمین موضع سوال میں رکھی اور تمام عمر اسی پر قانع رہے۔

سیرت و اخلاق حمیدہ

آپ گدڑی پہنا کرتے تھے۔ فتوح اور نذرانہ قبول نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ کے پیر و مرشد

حضرت خواجہ اجمیریؒ آپ سے بہت خوش تھے۔ حضرت سلطان التارکین اتباع سنت کے بڑی سختی سے کاربند تھے، اپنے مریدین اور متعلقین کو علم فرائض حاصل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

سرور الصدور میں مذکور ہے کہ شیخ بزرگ کے سامنے شیخ عبداللہ تستری کے چلہ کی اسناد پڑھی جا رہی تھیں۔ اس میں لکھا تھا کہ آدم علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام "سقنار" تھا۔ ان کی دوستی جنوں سے تھی۔ کسی جن نے ان کو ایک دعا بتلائی تھی جس کے باعث وہ بھوک اور پیاس سے بے نیاز تھے اور ۸۰ سال بعد ایک دفعہ سجدہ سے سر اٹھاتے۔ اسی طرح اپنے خالق کی عبادت کیا کرتے تھے، شیخ فرید الدین نے یہاں تک پڑھا تھا کہ شیخ بزرگ کی زبان سے کلمہ سبحان اللہ نکلا، یہ کلمہ سن کر شیخ فرید الدین خاموش ہو گئے۔ شیخ بزرگ نے فرمایا کہ میں نے آج اپنی عمر کا حساب لگایا تھا جس کی رو سے میں اسی (۸۰) سال کا ہو گیا ہوں اور اب تک میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ اس حکایت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ "حمید تو اپنے اسی سال کا کیا حساب لگاتا ہے ہمارا ایک بندہ گزرا ہے جو اتنی مدت میں تو ایک سجدہ بجالاتا تھا"۔

آپ واما السائل فلا تنہر کی اتباع میں کسی سوالی کا سوال رد نہ فرماتے اور خطاکار کی خطا معاف فرما دیتے تھے۔

خواجگہ نامی ایک شخص سے آپ کچھ رنجیدہ خاطر تھے۔ ایک دفعہ شیخ عزیز الدین نے آپ سے عرض کیا "بابا! خواجگی اکثر آپ کے پاس آتے ہیں مگر وہ اٹھ کر چلے جاتے ہیں، ایسی بات کیوں نہیں فرماتے کہ وہ اٹھ کر نہ جائیں"۔

پیارے وہ آنے والا نہیں، یہاں ویسے ہی آ جاتا ہے، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ آنے والا ہے تو اس کے گھر جاؤں اور اس کے پیروں پر سر رکھ کر اس کی خوشامد کر کے اسے لاؤں۔

لباس کا یہ حال تھا کہ ایک چادر کمر پر اور دوسری جسم پر پڑی رہتی تھی۔ بیوی صاحبہ کو دوپٹہ بھی میسر نہ تھا۔ پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں مگر اس عسرت و تنگی میں بھی ایک شان استغنا تھی۔

این دو روزہ حیات نزد خرد
چہ خوش و ناخوش چہ نیک و چہ بد

اکل حلال انسان کے دل اور جوارح کو اللہ کی یاد کی طرف مائل کرتا ہے اور اکل حرام و مشتبہ دل کی نورانیت زائل کر کے انسان کو مالک حقیقی کی بغاوت پر آمادہ کرتا ہے، سلطان محمود غزنوی جب فتح ہندوستان کی دعا کی غرض سے خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ کی جھونپڑی پر حاضر ہوا تو خواجہ نے سنت کے مطابق کھانا پیش کیا جو رات کے باسی ٹکڑوں اور پانی کے ایک پیالہ پر مشتمل تھا، محمود نے کہا "حضرت مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ باسی روٹی میرے معدہ کو خراب نہ کر دیں"۔ خواجہ نے اس

کی رد میں فرمایا "محمود مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ مشتبہ اور مشکوک مال جو تو میرے نذرانے کے لئے لایا ہے میرے دل کو زنگ آلود نہ کر دے"۔

ایک مرتبہ حاکم ناگور نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کرے مگر اسے خیال آیا کہ کہیں آپ اس کے نذرانے کو مسترد نہ کر دیں۔ اس لئے شیخ وحید الدین سے اپنی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے اس کو بتایا کہ شیخ کے مسلک میں نذرانہ روا نہیں ہے' پھر اس نے اپنے رشتہ دار سے جو آپ کا مرید تھا اپنا یہ خیال ظاہر کیا۔ اس نے اس سلسلہ میں شیخ عزیز الدین کی وساطت حاصل کی۔ جب شیخ عزیز الدین نے آپ سے حاکم ناگور کی سفارش کی تو آپ نے' بیوی صاحبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی قسم کا نذرانہ قبول نہیں کرتا"۔ اس پر بی صاحبہ نے فرمایا "آپ اپنے زہد و ترک پر قائم رہیں' اللہ ہمارا مددگار ہے"۔ اور یہ نذر واپس کر دی۔

اس پر حاکم نے آپ کی قناعت اور مجاہدہ نفس کا حال بادشاہ سے عرض کیا جس پر بادشاہ نے اس کو ایک گاؤں کا فرمان اور پانچ صد روپیہ بھیج کر لکھا کہ یہ نذرانہ عقیدت میری طرف سے حضرت صوفی صاحب کی خدمت میں پیش کر کے اسے قبول کرنے کی درخواست کرو۔ چنانچہ حاکم ناگور اس فرمان شاہی کی تعمیل میں پھر حضرت سلطان التارکین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ کا نذرانہ پیش کیا' آپ نے اس سے تو کچھ فرمایا نہیں' اٹھ کر گھر میں تشریف لے گئے اور بیوی سے فرمایا کہ بادشاہ نے ایک گاؤں کا فرمان اور پانچ سو روپیہ بھیجا ہے۔ اس کو قبول کیا جائے یا نہیں۔ اس وقت بیوی صاحبہ سر برہنہ تھیں۔ اپنے کرتہ کا دامن سر پر ڈال رکھا تھا۔ حضرت کا تہ بند بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ چکا تھا۔ اللہ رے شان استغناء بیوی صاحبہ نے عرض کیا "اس کو قبول کر کے اپنے فقر کو باطل کرو گے؟ میں نے دو سیر سوت کاتا ہے۔ اس کی قیمت سے میری چادر اور دوپٹہ اور آپ کا تہد بند بن جائیں گے"۔

بیوی کا یہ جواب سن کر آپ بے حد خوش ہوئے اور آ کر حاکم سے کہہ دیا کہ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ یہ تعمیل ہے اس ارشاد نبوی کی کہ "اپنے شکموں کو گرسنہ رکھو' جگروں کو تشنہ اور تنوں کو برہنہ تاکہ اپنے رب کو دیکھ سکو"۔

اندرون از طعام خالی دار
تا درون نور معرفت بینی

ایک دفعہ حضرت حمید الدین ناگوری اور حضرت بہاؤ الدین زکریا" میں فقر و غنا پر کافی گفتگو ہوئی۔ سلطان التارکین نے شیخ الاسلام ملتانی سے استفسار کیا؟ "مخدومی! اس میں کیا حکمت ہے کہ جس جگہ مال و متاع رکھا جاتا ہے وہاں سانپ بھی رہنے لگتا ہے اور یہ مشہور بھی ہے کہ جس جگہ خزانہ ہو گا

وہاں سانپ بھی ہو گا اور جہاں پھول ہوں گے وہاں کانٹے بھی ہوں گے حالانکہ سانپ اور مال میں نہ ظاہری مناسبت ہے نہ باطنی۔ پھر دونوں کی یکجائی کا کیا سبب ہے؟"۔

شیخ الاسلام بہاء الدین نے جواب دیا کہ "اگرچہ دونوں میں ظاہری مناسبت تو نہیں مگر باطنی ضرور ہے۔ وہ یہ کہ زہر کے باعث سانپ بھی مہلک ہے اور مال بھی اکثر آدمیوں کی ہلاکت کا موجب بنتا ہے" حضرت حمید الدین ناگوری صوفی علیہ الرحمہ نے فرمایا "بقول آپ کے سانپ اور مال اس معنی میں مترادف ہیں' یا یوں کہہ لیجئے کہ جو مال رکھتا ہے سانپ بھی رکھتا ہے"۔

شیخ بہاء الدین دولت و ثروت ہونے کی بنا پر سمجھ گئے کہ حضرت صوفی علیہ الرحمتہ کا کنایہ ان کی طرف ہے اور فوراً" جواب دیا کہ "مال و دولت اگرچہ سانپ ہے مگر اس شخص کو گزند نہیں پہنچاتا جس کو منتر آتا ہو"۔

صوفی علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ "کیا ضروری ہے کہ زہریلے اور مہلک جانور کو پالا جائے جس کے واسطے منتر کی محتاجی رہے"۔

شیخ بہاء الدین لاجواب ہو کر تھوڑی دیر خاموش رہے۔ اس کے بعد اپنے شیخ طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی کی طرف بذریعہ مراقبہ رجوع کیا اور ان کے ایما سے صوفی علیہ الرحمتہ کو کہا "آپ کی درویشی اتنی حسین و جمیل نہیں جس کو نظر لگ جائے اور ہماری درویشی ایسی ہے کہ اگر ہم اپنے رخ پر دنیا کی سیاہی کا وسمہ نہ لگائیں تو ہمیں نظر لگ جانے کا احتمال ہے"۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا" ملتانی کے اس جواب پر حضرت صوفی علیہ الرحمتہ نے فرمایا "کہ آپ کی درویشی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درویشی سے تو زیادہ حسین و جمیل نہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "الفقر فخری والفقر منی" یعنی فقر پر فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے"۔

آپ کے اس جواب کے آگے شیخ الاسلام لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے کہ حضرت صوفی کا مقام ترک و سلوک میں بہت اعلیٰ ہے۔

ملتان پہنچ کر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے امتحاناً" سونا چاندی بیلوں پر لدوا کر کسی بنجارے کے ہمراہ شیخ بزرگ صوفی کی خدمت میں ناگور شریف بھجوایا اور اس کو قبول کرنے کی درخواست کی۔ آپ" نے فرمایا کہ اس کو گینسیرانی تالاب کے میدان میں پھینک دو تاکہ مفلس و محتاج اسے لوٹ لے جائیں۔ بنجارے نے تعمیل حکم میں ایسا ہی کیا۔ غریب غربا یہ سونا چاندی لوٹ کر لے گئے۔

جب بنجارے نے رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ ہماری طرف سے کچھ اسی تالاب کے

سنگریزے بھر کر شیخ الاسلام کے پاس لے جاؤ اور تحفتہ" پیش کرو۔ بنجارے نے تعمیل حکم کی۔ جب وہ ملتان پہنچا تو دیکھا کہ تمام سنگریزے سونے کے ہیں۔

آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

ایک ہندو نے اس واقعہ کو اپنی زبان ہندی میں اس طرح قلم بند کیا ہے۔

بڑے پیر ملتان کے جہاں دین کا دیش
بالد بھری بہاؤدین چشتی تارکین کے پیش
گینرانی کے چوک پر اترے بالد آئے
حکم کیا سلطان جی چھن میں دے لوٹائے
کنکر بہائے گون بچ کھوئے کنچن مال
تم کو میاں بہاؤ دین چشتی دی ارسال
بھیڑ پڑی جب گاڑی کون پکڑی آئے
حکم کیا سلطان جی چھن میں دیئی لوٹائے

قصبہ ناگور میں ایک ہندو تھا جس کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے "یہ صاحب ولایت و نعمت ہے"۔ کیونکہ کرامت کو عقلی طور پر سمجھانا مشکل ہے اس لئے سامعین کو تعجب ہوتا کہ ایک کافر کو آپ ولی فرماتے ہیں، مگر ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا وہ ہندو مسلمان ہو کر درجہ ولایت کو پہنچا"۔

آپ اپنے مرشد خواجہ اجمیری قدس سرہ کی مسجد واقع اجمیر میں امامت فرماتے تھے۔ جب آپ تکبیر تحریمہ کہتے تو ہر مقتدی کو عرش اعظم نظر آتا تھا۔ مقتدی بھی بزرگ تھے وہ اسے اپنی کرامت سمجھے۔ ایک دن آپ مسجد میں موجود نہ تھے۔ اس لئے کسی اور بزرگ کو امامت کرنی پڑی' اس روز کسی کو عرش اعظم نظر نہیں آیا اور یہ راز منکشف ہوا کہ جلوہ عرش اعلی محض آپ کی بدولت نظر آتا تھا۔

علمی اعتبار سے سلسلہ چشتیہ عالیہ بہت بلند ہے۔ عربی' فارسی اور ہندی زبانوں پر آپ کو کامل عبور تھا۔ آپ نے اپنی تصانیف میں قرآن' احادیث اور اقوال مشائخ کا ذکر کیا ہے اور مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ○ سرور الصدور ○ اصول الطریقہ ○ رسالتہ السلوک ○ رسالہ چار منزل ○ رسالتہ السماع ○ رسالتہ العشق ○ رسالہ سوال و جواب اور ○ دیوان حمید۔

وصال شریف

آپ کا وصال ۲۹ ربیع الاخر ۶۷۷ھ میں بعہد سلطان غیاث الدین ہوا اور مدفن مہرولی شریف دہلی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمتہ کے مزارِ اقدس کے متصل ہوا۔

ضلع جہلم میں بزرگانِ دین کے مزارات

ضلع جہلم میں اولیاء کرام کے بہت سے مزارات ہیں جن کا فیض آج بھی جاری اور ساری ہے۔ جن قدیم بزرگوں کے تھوڑے بہت حالات جیسے کیسے مل سکے ہیں ان کو میں نے قلبند کر لیا ہے۔ اہلِ اربابِ طریقت سے گزارش ہے کہ جن بزرگوں نے دینِ اسلام کے چمن کی آبیاری کی ہے۔ ان کے کارناموں کو اجاگر کرنے کی سعی و کوشش کریں۔ تاکہ معاشرہ ان سے اکتساب فیض کر سکے۔ ع! نامِ نیکو رفتگاں ضائع مکن

(۱) دیوان صاحبؒ .شندور بمقام علاقہ پبّی ضلع جہلم۔ آپ بہت بڑے عابد اور بڑے ولی اللہ تھے۔ مزار اور چار دیواری پختہ ان کی اولاد سے غلام شاہ گدی نشین تھے۔ سلسلہ نامعلوم۔

(۲) خانقاہ شاہ سفید موضع میانہ موہرہ علاقہ پبّی ضلع جہلم کے سید عارف بہت بڑے ولی اللہ تھے۔ قوم میانہ اس خانقاہ پر قابض ہے۔ قریب آٹھ ہزار کے مرد و زن چکوال گوجر خاں جہلم رہتاس کے جمع ہوتے ہیں۔ موضع سوگیال میں چھ ایکڑ اراضی اس خانقاہ کے نام ہے۔

(۳) موضع موہن علاقہ کھدر خانقاہ غازی ناڑہ میں یہ پرانی زیارت ہے۔ پہاڑ میں ایک چشمہ آب بہ عمارت خام سنگی بنا ہوا ہے۔ اوس سے پانی نکلتا ہے۔ اس کے متصل ایک قبر غازی کی واقع ہے۔

(۴) موضع رکھ گھراٹ خانقاہ چشمہ گھراٹ شہر جہلم سے جانب غرب تقریبا" دس کوس قلعہ رہتاس کے قریب ایک جنگل ہے۔ اس میں دو چشمے' ڈیڑھ اور تین فٹ کے قریب عمیق ہیں۔ مشہور ہے کہ عہد سلف چغتائی میں شاہ عثمان فقیر غازی کا قیام اس مقام پر چند روز رہا۔ کوئی آجڑی بکریوں کا اجڑ یہاں چراتا تھا۔ دودھ وغیرہ سے ان کی خدمت کرتا۔ اتفاق وہ آجڑی بیمار ہو گیا کہ شکم اس کا پھول گیا۔ اس نے درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ یہاں زمین کھودو۔ چنانچہ اس نے فورا" زمین کھودی تو اس میں شور پانی پیدا ہوا جس کے پینے سے ایک گھنٹہ تک اس کے پیٹ میں تکلیف رہی اور پانی پیٹ میں گھراٹ کی طرح پھرتا رہا۔ اس لئے اس کا پانی گھراٹ مشہور ہو گیا۔ پھر اسہال آنے شروع ہوئے اور بیماری رفع ہو گئی۔ اس وقت گردو نواح کے علاقے کے لوگوں کا عقیدہ ہو گیا ہے کہ ماہ چیت بیساکھ / اسوج کاتک موسم حا:ب کا ہے۔ یہاں آتے ہیں۔ تندرست ہو کر چلے جاتے ہیں۔

(۵) موضع بھیٹ ضلع جہلم ٹلہ گورکھناتھ۔ اس مندر کی قدامت راجہ رام چندر کے ہے۔ اور کہتے ہیں کہ گورکھ ناتھ موجد فرقہ فقیری جوگ نے چندے اس ٹیلہ پر مقیم رہ کر بالناتھ کو چیلہ بنایا

تھا۔ اور گدی نشین ٹیلہ کا کر دیا۔ بالناتھ کی گدی نشینی ہے۔ یہ ٹیلہ گورو گورکھ ناتھ۔ یہاں پر مکان و مندر قدیم یہاں پر مشہور ہے۔

(۶) چشمہ روہتاس نانک المعروف بہ چو (CHOU) یہ چشمہ قلعہ رہتاس متصل برلبِ نالہ کہان واقعہ ہے۔ بشکل حوض۔تعمیر اس کی معارت سنگی پختہ ہے۔ سکھوں کا عقیدہ ہے۔ وجود اس چشمہ کا گورونانک صاحب کی برکت سے ہوا ہے۔ گورونانک فقیرانہ حالت میں اس جگہ آئے۔ اس چشمہ میں نہانے کو سکھ تو کبھی کبھی جاتے تھے۔

(۷) تحصیل پنڈ دادن خاں علاقہ جلال پور موضع ڈھیری خانقاہ میراں شاکر شاہ واقع ہے۔ یہ خانقاہ پہاڑ کے درمیان ہے۔

(۸) جلال پور شریف تحصیل پنڈ دادن خاں میں سائیں غلام حیدر شاہ چشتی نظامیؒ کا مزار ہے۔ یہاں پر دھرم رائے چشمہ سے زمین کی کاشت ہوتی ہے۔

(۹) موضع دھریالہ خانقاہ پیر بنوٹہ (BANOTA) میں بہ اعتقاد لوگ درد ریح کا علاج ہو جاتا ہے۔

(۱۰) خانقاہ پیر مصطفیٰ پنڈ دادن خاں خاص - یہاں پر میلہ لگتا ہے۔

(۱۱) خانقاہ عالم شاہ بخاری یہ بھی بزرگ و شیخ ہیں۔ یہاں پر بھی میلہ لگتا ہے۔

(۱۲) خانقاہ شریف شاہ۔ موضع منڈائر علاقہ احمد آباد بہت پرانی زیارت ہے۔

(۱۳) پیر تازہ موضع مُورت (MURAT)۔ صاحب کرامت درویش ہیں۔

(۱۴) شاہ دولہ موضع جبی۔ یہ قوم کے اعوان ہیں۔ صاحب کرامت درویش ہیں۔

(۱۵) خانقاہ بی بی رابعہ صاحبہ موضع بوڈال علاقہ جبی تحصیل تلہ گنگ۔ یہ بھی قوم اعوان سے ولیہ ہوئی ہیں۔

(۱۶) خانقاہ شاہ جی محمدؒ شاہ صاحبؒ۔ یہ قوم کے سید بخاری ہیں۔ ان کا گاؤں چکے داخلے تراپ تحصیل تلہ گنگ ہے۔

(۱۷) خانقاہ شیخ محمودؒ چکے داخلے بھروہ موضع میاں تحصیل تلہ گنگ صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

(۱۸) موضع ہرڑ خانقاہ زیارت پر سایہ۔ اچھی زیارت گاہ ہے۔

(۱۹) حضرت شاہ بلاول موضع دندہ علاقہ سیال تحصیل تلہ گنگ بہت اچھے ولی ہیں۔ ان کی اولاد سید خاجے شاہؒ اور لطف شاہ حبیبؒ ہیں

(۲۰) زیارت پیر کرم شاہ موضع پیر کھارا و چلی پیر والد - اچھے بزرگ ہیں۔

(۲۱) خانقاہ میاں سالپ۔ ان کی اولاد جو قوم گوجر سیال ہیں۔ اولاد میاں سالپ لنگر دیتے ہیں (واللہ اعلم بالصواب) سیدن شاہ بڑے ولی ہوئے ہیں۔

گدی نشین سائیں خیرات علی شاہ سابقہ دور میں تھے۔

(۲۲) خانقاہ پیر عالم شاہ - بمقام دھرابے علاقہ منیال۔ تحصیل چکوال میں ایک بہت ہی مشہور و معروف مزار ہے۔ بندگانِ خدا درگاہ پر حاضری دیتے ہیں اور برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

سلسلہ عالیہ وارثیہ کے بانی مبانی حضرت حافظ حاجی سید وارث علی شاہؒ کا شجرہ نسب سادات کاظمی (حضرت موسیٰ بن جعفرالملقب بہ کاظمؒ) تک جا پہنچتا ہے۔

موسیٰ بن جعفرالملقب بہ کاظم

نام و نسب

موسیٰ نام، ابوالحسن کنیت اور کاظم لقب ہے۔ ان کے والد امام صادقؒ اور جد امجد امام باقرؒ اپنے عہد کے ممتاز ترین اور بلند پایہ علماء میں تھے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب، ہاشمی، علوی اور مدنی تینوں نسبتوں سے مشہور ہیں۔ ان کی دادی فروہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پوتے قاسم بن محمد کی صاحبزادی تھیں۔ اس طرح ننھیالی شجرہ کے مطابق ان کی رگوں میں صدیقی خون بھی رواں تھا۔

ولادت

۱۲۸ھ میں مدینہ کے قریب ابواء نامی ایک مشہور قریہ میں پیدا ہوئے اور پھر تمام عمر مدینہ ہی میں سکونت پذیر رہے۔

فضل و کمال

موسیٰ الکاظمؒ اس خانوادۂ علم کے گوہر شب چراغ تھے۔ جس کا ہر ہر فرد آسمان فضل و کمال کا بدر کامل اور مسند علم کا شیخ الکل تھا۔ اس لئے امام کاظمؒ کو دولتِ علم گویا وراثتاً نصیب ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ جود و کرم، عبادت و ریاضت، تضرع و انکسار اور تقویٰ و پاکبازی کا پیکر مجسم تھے۔ ابوحاتمؒ ان کو امام المسلمین کہتے ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

کان صالحا" عابدا" جوادا" حلیما کبیرا لقدر

وہ صالح، عبادت گزار، حلیم الطبع، سخی اور جلیل المرتبت ہے۔

حدیث میں انھوں نے اپنے باکمال والد امام جعفر بن محمد الملقب بہ صادق کے علاوہ عبداللہ بن دینار اور عبدالملک بن قدامہ الجمحی سے استفادہ کیا تھا۔

عبادت

عبادت و ریاضت کا خاص اہتمام تھا۔ کثرت عبادت کا یہ عالم تھا کہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم شمار ہوتے تھے۔ حافظ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں ان کا بہت نمایاں تذکرہ کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں۔ کان کثیرا لعبادۃ والللشاۃ حتیٰ کہ جب ہارون الرشید نے ان کو دیوار زندان کے پیچھے ڈال دیا تو بھی ان کے شب و روز کے معمولات میں کوئی فرق نہ آسکا۔ جنابہ راویہ سندی جو زندان میں امام صاحب کی خدمت پر مامور تھی، جب بھی ان کو دیکھتی تو کہتی بڑے ہی بدنصیب ہیں وہ لوگ جو خدا کے ایسے صالح اور عبادت گزار بندے سے تعرض اور پریشان کرتے ہیں۔

سخاوت

جود و سخاوت، سیر چشمی اور فیاضی اہل بیت کرام کا ایک مشترک وصف اور خصوصی تمغۂ امتیاز تھا۔ امام کاظم بھی اس وصف کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے۔

قید و بند کی صعوبتیں

تاریخِ اسلام میں ایسے اہلِ دعوت و عزیمت علماء کی کافی تعداد ملتی ہے۔ جنہوں نے حق و صداقت اور ایمان و ایقان کے چراغ روشن رکھنے کی خاطر دار و رسن اور قید و بند کے تمام شدائد و صعوبتوں کو بطیب خاطر انگیز کیا۔ بلکہ کتنوں نے تو اسی راہ میں اپنی جان بھی جان آفرین کے سپرد کر دی۔ لیکن ان کے پائے ثبات و استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہ پیدا ہو سکا۔ امام موسیٰ کاظمی بھی دو بار اس سعادت سے بہرہ ور ہوئے تھے۔

سب سے پہلے خلیفہ مہدی نے ان کو قید کیا تھا لیکن اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے خواب میں حضرت علیؓ کی زیارت کی، جن کے چہرے سے سخت ناراضگی کے آثار عیاں تھے اور وہ خلیفہ کو مخاطب کر کے فرما رہے تھے۔

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحا مکو

"تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو"۔

چنانچہ اس کے بعد مہدی نے موسیٰ کاظمؒ کو اس شرط پر فوراً رہا کر دیا کہ وہ اس کے اور اس کے لڑکوں کے خلاف خروج نہ کریں گے اور امام صاحب کو تین ہزار دینار دے کر بصد اعزاز و اکرام مدینہ واپس بھیج دیا۔

پھر ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ایک مرتبہ اسے خبر ملی کہ عوام موسیٰ کاظمؒ کے ہاتھوں

پر بیعت کر رہے ہیں۔ اس سے اس کو بہت اندیشہ ہوا چنانچہ رمضان ۱۷۹ھ میں جب خلیفہ مذکور عمرہ کی غرض سے حرمین گیا تو واپسی میں امام صاحب کو بھی اپنے ہمراہ بصرہ لیتا آیا اور وہاں کے والی عیسٰی بن جعفر کے پاس مقید کر دیا۔ وہ ایک سال تک وہاں رہے' اس کے بعد پھر بغداد کے مرکزی قید خانہ میں منتقل کر دیئے گئے اور تا دمِ حیات وہیں رہے۔

قید بے جا سے رہائی کی دعا

امام کاظم کی بلندی شان کی ایک بین دلیل یہ بھی ہے کہ بغداد کے زمانہ اسیری میں انہیں عالم رویاء میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ ان سے فرما رہے تھے۔ "اے موسیٰ! یقیناً" تم مظلوم ہو' میں چند کلمات تلقین کرتا ہوں' اگر تم ان کا ورد کرو تو آج ہی شب تم قید سے رہا ہو جاؤ گے۔ وہ کلمات یہ ہیں"۔

یا سامع کل صوت یا سائق الفوت یا کاستی العظام لحما" و یا منشرھا بعد الموت۔ أسألک باسمائک الحسنی و باسمک الأعظم الاکبر المخزون المکنون الذی لم یطلع علیہ احد من المخلوقین۔ یا حلیما" ذا اناۃ لا یقوی علی اناءتہ یا ذا المعروف الذی لا ینقطع ابدا" ولا یحصی عددا" فرج عنی۔

صاف گوئی

قید خانہ ہی سے انھوں نے خلیفہ کے نام ایک خط لکھا تھا' جو ان کی صاف گوئی' جرأت اور حق گوئی کا پورا عکاس ہے۔ اس خط میں تحریر تھا۔

اما بعد یا امیر المومنین انہ لم ینقضی عنی یوم من البلاء اِلّا نقضی عنک یوم من الرخاء۔ حتی یفضی بنا ذلک الی یوم یخسر فیہ المبطلون

اے امیر المومنین! جوں جوں میری آزمائش کے ایام گزر رہے ہیں ویسے ویسے تمہارے عیش و راحت کے دن بھی کم ہوتے جا رہے ہیں حتیٰ کہ ہم دونوں ایک ایسے دن ملیں گے' جب برا عمل کرنے والے خسارہ میں رہیں گے۔

وفات

کامل ۷۳ سال دنیائے علم و عمل کو منور رکھنے کے بعد ۲۵ رجب ۱۸۳ء کو یہ شمع فروزاں گل ہو گئی۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ بغداد کے قید خانہ میں ان کی وفات ہوئی۔ بغداد میں آج بھی ان کا مزار مشہور آفاق اور مرجع انام ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳)

ماخذ

☆ ۱۔ قلمی نسخہ مشتمل بر حالات حضرت حافظ قاضی اکمل شاہ وارثی" مملوکہ جناب قاضی عزت شاہ وارثی مدظلہ العالی بمقام آستانہ وارثیہ چھپر شریف تحصیل ضلع گوجر خاں

☆ ۲۔ قلمی نسخہ مشتمل بر حالات حضرت میاں محبت شاہ وارثی" تصنیف مولانا علم الدین چشتی سیالوی۔ مملکوکہ جناب قاضی عزت شاہ وارثی مدظلہ العالی

☆ ۳۔ مشائخ چشت۔ خلیق احمد نظامی

☆ ۴۔ مقامات گنج شکرؒ۔ کپتان واحد بخش سیال چشتی صابری

☆ ۵۔ جہلم گیزیٹیر۔ ۱۹۰۴ء

☆ ۶۔ رسالہ السماع " تصنیف سرکار قاضی حمید الدین ناگوری سوالی ""

☆ ۷۔ صوفیائے میوات۔ محمد حبیب الرحمن خاں میواتی

☆ ۸۔ دینی مقالات۔ مولوی محمدؐ شفیع (قصوری)

☆ ۹۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری" کی حیات و دینی تعلیمات۔ محکمہ اوقاف پنجاب۔ لاہور

☆ ۱۰۔ رنگین احرام۔ مقبول شاہ وارثی (گنگوارہ شریف ضلع بارہ بنکی (یو۔ پی بھارت)

☆ ۱۱۔ تاریخ اسلام۔ عبدالحلیم شرر

☆ ۱۲۔ عربوں کے ساتھ پاک و ہند کے تعلقات۔ عبدالسلام ندوی

☆ ۱۳- تذکرہ شعرائے وارثیہ - میاں عطاء اللہ ساگر وارثی
☆ ۱۴- مخزن پنجاب - مفتی غلام سرور قادری لاہوری
☆ ۱۵- ماہنامہ زمانہ - کان پور (شمارہ مورخہ)
☆ ۱۶- ماہنامہ العصر - پٹنہ (بھارت)
☆ ۱۷- تذکرہ علمائے ہند ملقب بہ تحفتہ الفضلاء فی تراجم الکملا - رحمان علی لکھنؤ بھارت